آبِ خضر
مؤلفہ
رامت علی کرامت

# آبِ خضر

## شعرائے اڑیسہ کا انتخابِ کلام مع تذکرہ

مرتبہ

کرامت علی کرامت

اڑیسہ اردو پبلشرز، دیوان بازار، کٹک

بار اول — اگست سنہ ۶۳ء

تعداد اشاعت۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت۔ تین روپے

ناشر

اڑیسہ اردو پبلشرز، دیوان بازار کٹک ۱

طابع

لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ ۴

خوش نویس۔ غلام رسول نسیم (کٹک)

# اپنی بھابی مرحومہ اختری ممتاز کے نام

ایک پودا بڑھ کر جوان ہوا۔ اُس پر بہار آئی۔ اُس کی ہر شاخ سے کئی کونپلیں پھوٹیں، پھر کئی ہرے بھرے پتے لہلہانے لگے۔ کلیاں کھِل کر پھول بنیں لیکن یہ درخت اپنی بائیسویں بہار میں اچانک خزاں کا شکار ہو گیا۔ اُس کی شاخیں سوکھ گئیں۔ اُس کے سرسبز پتے جھڑ گئے۔ پنکھڑیاں مُرجھا گئیں۔ لیکن یہ وہ درخت تھا جس کے اثمار اب تک امیدِ فردا لئے ہوئے تر و تازہ نظر آ رہے ہیں۔

وہ خزاں رسیدہ درخت آپ ہیں میری بھابی، بیگم اختری ممتاز، میں آپ ہی کے نام "آبِ خضر" کو معنون کرتا ہوں تا کہ آپ کی خشک رگوں میں پھر سے پائندگی کی لہریں دوڑ جائیں اور آپ کو وہ حیاتِ جاوداں نصیب ہو جس پر سو بہاروں کی بہار خود کو نچھاور کرے۔

کرامت علی کرامت

جاں می دہد بہ عاشق روئے عرق فشانش
از آبِ خضر گویا ایں گلستاں شگفتہ ست

صائبؔ

# فہرس



## حصہ اول



## حصہ دوم

## حصہ سوم

# پیش لفظ

مس اے جی اسٹاک، سابق صدر شعبۂ انگریزی، کلکتہ یونیورسٹی نے ایک دفعہ دوران گفتگو میں مجھ سے کہا کہ "اس وقت انگلینڈ کا نوجوان طبقہ شعرگوئی کو اپنے ذوق کی توہین سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس اس کی تمام تر توجہ افسانہ نویسی اور ناول نگاری پر مرکوز ہے۔" اس بیان کے پیش نظر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ دور فنِ شاعری کے لے موزوں نہیں ہے۔ لیکن ایسے بحرانی دور میں بھی جب ہم مجموعی طور سے اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مایوس نہیں ہونا پڑتا ہے۔ معلوم نہیں اردو شاعری میں وہ کون سا جادو ہے جو اب بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ جبکہ انگریزی کا قاری اپنے شاعروں سے بیزار ہو چکا ہے اور انھیں قابل اعتنا نہیں سمجھتا، کیا یہ بات قابلِ فخر نہیں ہے کہ اردو کا قاری اب بھی اپنے شاعروں کی آوازمیں اپنے قلب کی واردات سن پاتا ہے؟ اردو شاعری کی اس غیرمعمولی مقبولیت کے ثبوت میں اڑیسہ کے اردو شعراء کا انتخابِ کلام "آبِ خضر" کی شکل میں پیش کرتے ہوئے آج مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔

اڑیسہ کی سب سے اہم زبان اڑیا ہے اور اسے بجا طور پر علاقائی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہاں تیلگو، بنگالی، اردو اور ہندی بولنے والے بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اڑیسہ میں اردو بولنے والوں کی تعداد تقریباً دو فی صدی ہے۔ لیکن اڑیا کے بعد یہ فخر اردو کو ہی حاصل ہے کہ اس نے زمانۂ دراز سے اب تک سب سے زیادہ تعداد میں اچھے شاعروں کو جنم دیا۔

"آبِ خضر" میں شعرائے اڑیسہ کے کلام کا بہت سختی سے انتخاب نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس میں ہر شاعر کو اس کی "اپنی ہی شکل" میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ قارئین کرام کو اس "قطرہ میں دجلہ" کا نظارہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ممکن ہے کلام کے سخت انتخاب سے مجموعہ کی شکل بادی النظر میں بہتر معلوم ہوتی لیکن اس سے شعراء کا فطری رنگ ظاہر نہ ہوتا اور اس میں ایک طرح کا تصنع پیدا ہو جاتا جس سے میں نے حتی الامکان بچنے کی سعی کی ہے۔ سچ پوچھیئے تو میں معصوم بچے کی توتلاہٹ میں ایک مغنیہ کے لحن سے زیادہ دلکشی محسوس کرتا ہوں۔

"آبِ خضر" کسی ایک مکتبۂ فکر کا نمائندہ نہیں، بلکہ اس میں تقریباً ہر رنگ اور ہر نوع کی شاعری موجود ہے۔ یعنی 'آبِ خضر' گلہائے رنگ رنگ سے مزین ایک ایسا گلدستہ ہے جو توقع ہے، ہر طرح کے ذوق کی پذیرائی کر سکے گا۔

یوں تو زیرِ نظر مجموعہ میں جن شاعروں کا کلام شامل ہے ان میں کسی کو شعلہ کی حیثیت حاصل ہے اور کسی کو چنگاری کی۔ لیکن دونوں میں تڑپ، سوز اور التہاب مشترک تو ہیں! اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہی چنگاری بھڑک اٹھے تو ایک دن شعلۂ جوالہ نہ بن جائے۔!

آبِ خضر کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ حصۂ اول میں اُڑیسہ کے مرحوم شعراء کا کلام درج ہے اور حصۂ دوم میں اُڑیسہ کے موجودہ دور کے شعراء کا۔ حصۂ سوم میں اُڑیسہ سے باہر کے اُن شعراء کے کلام کا انتخاب درج ہے جنہوں نے اُڑیسہ کی ادبی سرگرمیوں کے ساتھ گہری وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ ان بیرونی شعراء کی جو تخلیقات شاملِ اشاعت کی گئی ہیں، ان میں تقریباً تمام اُڑیسہ کے دورانِ قیام میں ہی لکھی گئی ہیں اور اس لئے یہ اُڑیسہ کی ہی یادگار ہیں۔

حصہ اول میں اُڑیسہ کے جن پرانے شعراء کا کلام شامل ہے، ان کے بارے میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ وہ صرف اپنے ہی مذہبی جذبات کی تسکین کے لئے شاعری کرتے تھے، کسی طرح کے نام و نمود کے لئے نہیں۔ پھر بھی ان شعراء کے کلام نے ایک عرصہ دراز سے اُڑیسہ کے عوام کی زندگی کو اپنی لطافتوں سے مسحور کر رکھا ہے۔ ایک عرصہ سے اِن کا کلام اُڑیسہ کے گاؤں گاؤں میں مقبول ہوتا رہا ہے اور عوام کی زبانوں پر ہی سالہا سال زندہ رہا ہے۔ ان شعراء کے کلام میں مذہبی یکسانیت او مناسبت کسی خارجی تحریک کی پیداوار نہیں، بلکہ داخلی جذبات کے پُر خلوص اظہار کا نتیجہ ہے، کیوں کہ ان شعراء کی زندگی پر مذہب کا اثر بہت گہرا تھا اور اس لئے اس کا اثر فن پر پڑنا فطری بات ہے۔ فریزر، بوآس، کوتبے اور ماآلنسکی وغیرہ ادیبا نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں شعر و ادب سماجی روایتوں اور مذہبی رسوم کی گود میں پروان چڑھے ہیں۔ اس لئے اُڑیسہ کے قدیم شعراء کا مذہبی رجحان اس بات پر شاہد ہے کہ یہاں بھی اردو شاعری نے فطری طور پر نشو و نما پائی ہے۔ اردو شاعری کا مجموعی طور پر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں مذہبی شاعری اور بالخصوص نعتیہ کلام کا کافی بلند مقام ہے۔ چنانچہ جگن ناتھ آزاد نے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے نام ایک خط میں اس طرح اس امر کا اعتراف کیا ہے "اگر اردو اور فارسی کے نعتیہ کلام کے نادر نمونوں کو جمع کیا جائے تو ہمارا اندازِ نقد و نظر ایک بالکل ہی نئے باب سے آشنا ہو۔"

اُڑیسہ میں ہمیشہ سے اردو اور فارسی کا کافی چرچا رہا ہے۔ مغلیہ دورِ حکومت میں ایک عرصہ دراز تک بنگال و اُڑیسہ کے صوبہ دار یا نائب ناظم شاہان دہلی کے حکم پر شہر کٹک میں ہی رہا کرتے تھے اور اس طرح اُڑیسہ کا تعلق باہر کے ادیبوں سے ہمیشہ

قائم تھا۔ چنانچہ بقول سید سلیمان ندوی، عبد القادر بیدل کی "سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے جہاں اُس زمانے میں مولانا یعقوب چرخی کے پوتے خاندوران سید محمود صوبہ دار تھے۔"

اب اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اڑیسہ میں اردو اور فارسی میں شعر کہنے والے ایسے کئی ہوں گے جن کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہاں کے سب سے پرانے صاحب دیوان شاعر شیخ امین اللہ چرخی ہیں جن کا مجموعۂ کلام ان کی وفات کے بعد "دیوان چرخی" کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا۔ ان کے متبنّٰی فرزند عبد المجید صاحب کا ایک شعر درج ذیل ہے جس سے چرخی کے سال وفات پر روشنی پڑتی ہے ؎

نحیف عبد المجید زایں دعا خدایا قبول فرما

کہ نام چرخی مدام باشد بنام نیکو بدہر باقی

"نام چرخی مدام باشد" سے چرخی کا سال وفات ۱۲۹۶ھ (تقریباً ۱۸۷۹ء) نکلتا ہے۔ اس حیثیت سے انھیں غالب کا ہم عصر کہنا چاہیئے۔ مگر چرخی ہندوستان کے ایک ایسے گوشے میں سانس لے رہے تھے جہاں اس وقت دہلی یا لکھنؤ کسی بھی دبستان شاعری کا اثر پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے ان کے کلام میں تصوف اور مذہب کا ایک ایسا امتزاج نظر آتا ہے جس کا سلسلہ صرف فارسی کے بعض قدیم شعراء مثلاً خسرو، فردوسی، سعدی اور جامی وغیرہ سے جا ملتا ہے۔ چرخی کی زبان و بیان میں قدامت کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں لیکن ان کی شاعری میں ایسے پختہ و شستہ کلام کا نمونہ بھی ملتا ہے جسے صحیح معنی میں جدید کہا جا سکتا ہے۔

عاشق ہو اگر دل بت عیار پہ دے دو　　　جان اپنی تم اک جلوۂ دلدار پہ دے دو

؎ یہ شعر عبد المجید صاحب کے پوتے جناب عبد الحلیم حلیم کے حافظہ سے مجھے حاصل ہوا۔ کرامت

دے دو خرد و ہوش کو اک ناز پہ اُس کے          اور صبر و سکوں زلف کے ہر تار پہ دے دو

چرخی اردو سے زیادہ فارسی کے شاعر تھے اور محض ذائقہ بدلنے کے لئے اردو میں شعر کہتے تھے۔

حصہ اول میں جن قدیم شعراء کا کلام شامل ہے ان میں سے چرخی کے علاوہ معلم سمبل پوری، عبدالمجید بھویان، جان محمد حازم، عبدالعزیز عاشق، نور علی انور، عبدالستار عبد، رفیع الدین خاں رفیع اور مولا بخش شاہ مولا کا کلام زیور اشاعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ تقریباً ان تمام شعراء کے کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ ظہور الحق ظہوری کا نعتیہ مستزاد پختہ شعر گوئی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ معلم، یوسف، محسن، عبد اور مولا کے کلام میں تغزل جلوہ بار ہے۔ یہ تغزل حسن و عشق کی سطحی داستان سے وابستہ نہیں، بلکہ زندگی کے عمیق تجربات کی پیداوار ہے۔ اس وقت کے شعرائے اڑیسہ میں اس طرح کی پختہ کاری حیرت انگیز ہے۔

رخ سے ترے غضب ہے الٹنا نقاب کا          عالم کو ہو گیا ہے گماں آفتاب کا

(معلم سمبل پوری)

کشورِ حسن میں لیلیٰ کی جگہ تجھ کو ملی          قیس کے بعد میں مالک ہوا ویرانوں کا

(محمد یوسف یوسف)

دَور بھی تو دیکھ لیں صہبائے چشمِ یار کا          کھل ہی جائے گی حقیقت گردشِ ایام کی

(محمد محسن محسن)

کب دیکھئے کہ گھر میں وہ آتا ہے رشکِ ماہ          ہم منتظر ہیں شمع جلائے ہوئے

(مولا بخش شاہ مولا)

صنفِ قصیدہ میں بھی اڑیسہ کے بعض شعراء کو کافی عبور حاصل تھا۔ معلم سمبل پوری

کا قصیدہ "در مدح حضرت امام حسینؓ" محمد محسن محسن کا قصیدہ حضرت امام حسینؓ، عبدالعزیز عاشق کا "قصیدۂ بخاری شاہ" میرے دعویٰ کی پشت پناہی کے لئے کافی ہیں۔ معلم سنبل پوری کا مجموعۂ کلام "کاخِ سخن" کے نام سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ "کاخ سخن" کے مطالعہ سے معلم کی زبان و بیان کی صفائی اور فنی پختگی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، اڑیسہ کے شعرائے قدیم کی نعتیہ غزلیں بھی عام طور پر ان کی زندگی کے ذاتی تجربات کی پیداوار ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ عبدالرحیم احسن کا گھر جل گیا تھا اس سے متاثر ہو کر شاعر کی زبان سے یہ نعتیہ شعر خود بخود نکل گیا:۔

سوزشِ عشقِ احمد سے گر آگ لگی لگ جانے دو  دوستو ابرِ دیدۂ تر سے اشک کا مینھ برسانے دو

شاعر کی ذہنی ساخت عجیب و غریب ہوتی ہے۔ اس کے ذہن میں ایک طرح کے جذبات دوسری طرح کے جذبات کو بیدار کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے شعر پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اپنے گھر کے جل جانے پر احسن کے قلب پر جو واردات گذریں انھوں نے ان کے مذہبی جذبات کو بیدار کر کے ان کا ذہن "سوزش عشق احمد" کی طرف مبذول کر دیا۔ اس لئے یہاں صحیح طور پر شاعرانہ خلوص و صداقت کارفرما ہے۔ اور یہی اس شعر کی کامیابی کی روشن دلیل ہے۔

رحمت علی رحمت "آب خضر" کی ترتیب کے وقت بقید حیات تھے۔ لیکن ترتیب کا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس لئے اُن کا کلام حصۂ دوم میں شامل نہ کر کے حصۂ اول میں شامل کیا گیا ہے حالاں کہ ان کا ذکر دورِ جدید کے شعراء میں آتا ہے۔ رحمت علی رحمت کا کلام تصوف، تغزل اور طنز و ظرافت ان تینوں عناصر سے مرکب ہے۔ لیکن ان تینوں میں سے طنز و ظرافت ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ قدیم رسالہ اودھ پنچ کے علاوہ اکبر الٰہ آبادی اور ڈپٹی نذیر احمد کے مطالعہ نے ان کی

طبیعت میں طنز و ظرافت کا عنصر بھر دیا ہے۔ موصوف فلسفہ اور منطق کو ناقص سمجھتے ہیں اور مذہب کو مشعلِ راہ تصور کرتے ہیں۔ بلکہ علمِ فلسفہ و منطق کی جانب ان کا رویہ سخت مخالفانہ رہا ہے۔ مثلاً :-

کام کی باتیں جو تھیں جب درج قرآں ہو گئیں　　　فلسفہ کی ساری چیخیں طاق نسیاں ہو گئیں

اب آیئے، حصہ دوم یعنی دورِ جدید کے شعراء کے کلام کا جائزہ لیں۔

امجد نجمی کے کلام سے اڑیسہ کی اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ امجد نجمی اڑیسہ کے سب سے پہلے نظم گو شاعر ہیں۔ بقول آل احمد سرور "امجد نجمی کو ہماری شاعری کے معیاروں کا احساس ہے اور ہمارے تمام اہم میلانات کا عرفان"۔ ان کی چالیس سالہ مشق کا نچوڑ ۱۹۶۱ء میں "طلوع سحر" کے نام سے پہلی بار شائع ہو کر اڑیسہ کے لئے بہت ہی شہرت و پذیرائی کا باعث ثابت ہوا ہے۔ امجد نجمی نے فارسی اور اردو کے کلاسیکل شعراء کا بہت غائر مطالعہ کیا ہے۔ اور انیس، اقبال، آغا حشر اور جوش سے گہرا اثر قبول کیا ہے۔ انگریزی کے شعراء میں وہ شیکسپیئر، ورڈز ورتھ، ٹینیسن، پوپ، بائرن وغیرہ سے خاص طور پر متاثر ہیں۔ انھوں نے کامیاب فطری اور نفسیاتی نظمیں بھی کہی ہیں اور سیاسی اور سماجی نظمیں بھی۔ ان کی شاعری نے جس وقت آنکھیں کھولیں، اس وقت شاعری کی روایتی قدریں بڑی تیزی سے بدل رہی تھیں۔ ان کی شاعری نے بہت سے سماجی اور سیاسی نشیب و فراز دیکھے اور اس نے ہمیشہ بدلتے ہوئے رجحان کا ساتھ دیا حتیٰ کہ ترقی پسند تحریک سے بھی انھوں نے بعض نظموں اور غزلوں میں گہرا اثر قبول کیا ہے۔ ان کی جدید ترین نظموں میں بین الاقوامی ادبی رجحان کا اثر تو صاف نظر آتا ہے۔ نظم "کرمکِ شب تاب" ان کے ابتدائی دور کی ایک کامیاب نظم ہے جس سے ان کے مابعد الطبیعاتی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ نظم "روشنی تیز کرو" میں موجودہ تہذیب

کی ہولناکیوں کی عکاسی ہوئی ہے۔ اس نظم میں الفاظ کی نشست اور رکھ رکھاؤ بہت ہی خوبصورت ہے اور شاعر کے جذبات کے پرخلوص اظہار کے لئے بہت ہی کامیاب تشبیہات و استعارات کا استعمال ہوا ہے۔ "روشنی تیز کرو تیز کرو تیز کرو" یہاں ایک رجز کی سی کیفیت پیدا کی گئی ہے جس سے قاری کو جوشِ عمل کی ترغیب ملتی ہے۔ نظم "پیاسا" امجد نجمی کی ایک جدید نظم ہے جس پر اسپین کے نوبل لارئیٹ یمینز کا اثر بہت گہرا ہے۔ یمینز کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ معمولی معمولی چیزوں سے نکل کر فلسفہ حیات و کائنات تک پہنچتا ہے۔ یہی خوبی امجد نجمی کی آزاد نظم "پیاسا" میں بہت نمایاں ہے۔ نظم "پیاسا" کے مختلف ٹکڑے اگرچہ بادی النظر میں غیر مربوط نظر آتے ہیں، لیکن یہ بند ملزوماتِ خارجیہ (OBJECTIVE CORRELATIVES) کی حیثیت رکھتے ہیں جو ایک ہی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح ان میں ایک داخلی ربط و تسلسل پیدا ہو جاتا ہے جس سے نظم کی مرکزی کیفیت تک پہنچنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۲۰ء کے اردو شاعروں میں غالباً امجد نجمی ہی ایسے شاعر ہیں جو اس وقت آزاد نظم میں بھی کامیاب تجربے کر رہے ہیں۔ غزلوں میں بھی ان کا ایک خاص لہجہ ہے جو وارداتِ قلب کو شعر کے سانچے میں ڈھالنے کا نتیجہ ہے۔ غالباً اسی وجہ سے علامہ نیاز فتح پوری کا خیال ہے کہ امجد نجمی کے کلام میں جو زندگی پائی جاتی ہے، وہ بہت کم کہیں اور نظر آتی ہے۔ امجد صاحب نے بعض نظموں اور غزلوں میں اردو اور ہندی کو قریب تر کرنے کی کوشش کی ہے اور یہاں بھی ان کے فن میں ایک انوکھا پن ابھرا ہے۔

تم آؤ تو تم کو بتاؤں اس کے معنی مطلب
رات کو میں نے دیکھا ہے اک سپنا پیارا پیارا

اس شعر کی سادگی اور ہلکی ہلکی اشاریت تقریباً اسی طرح کی وجدانی کیفیت پیدا کر دیتی ہے جو میر تقی میر کے اس شعر میں ہے:۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

چاہے آپ اس کیفیت کو تغزل کے نام سے موسوم کریں یا کسی اور نام سے۔

امجد نجمی کے ذیل کے اشعار سے ان کی فکری گہرائی اور معنوی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

اے نظامِ دار و مقتل گوش بر آواز ہو اب زباں پر اپنی حرفِ مدعا لاتا ہوں میں

میں سعیٔ مسلسل کرکے بھی منزل کو ڈھونڈ رہا منزل نہ ملی تو کیا ہے مگر اپنے کو پاتا جاتا ہوں

ہے وہی کیفیتِ بے تابیٔ موجِ نظر حسن کے جلووں کو بحر بے کراں پاتا ہوں میں

مشہور ماہر نفسیات ینگ (JUNG) نے "شخصیت" کو دو قسموں (TYPES) میں منقسم کرکے انھیں داخلیت پسند (INTROVERT) اور خارجیت پسند (EXT-RAVERT) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ایک داخلیت پسند شخص علت فاعلی (SUBJ-ECT) کو علت غائی (OBJECT) سے بلند مقام دیتا ہے جبکہ ایک خارجیت پسند شخص علت غائی کو علت فاعلی سے بلند مقام عطا کرتا ہے۔ ینگ نے تاریخ، کردار نگاری، شاعری، جمالیات، فلسفہ، سوانح حیات وغیرہ سے حوالے دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ کسی شخص کی داخلیت پسندی یا خارجیت پسندی اس کے ادراک، احساس، جذبات اور ذکاوت ان عناصر میں سے کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ خارجیت پسند کی توجہ بیرونی ماحول پر مرکوز ہوتی ہے اور داخلیت پسند کی توجہ اپنی ذات پر۔ ینگ نے ثابت کیا ہے کہ تجرید (ABSTRAC-TION) کی صفت داخلیت پسندی کی علامتوں میں سے ہے۔ خود ینگ کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ تقریباً ہر شخص میں یہ دونوں کیفیتیں پائی جاتی ہیں، لیکن کسی ایک کیفیت کی زیادتی یا کمی پر ہی اس شخص کو کسی ایک ٹائپ سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کی شاعری کا بہتر و بیشتر حصہ ان کی داخلیت پسندی کا مظہر ہے۔ ان کا فلسفۂ خودی اور ان کا تصوف اور مابعد الطبیعی رجحان ان کی داخلیت پسندی کا حامل ہے۔ اس کے برعکس جوش کی شاعری کا حا

روش خارجیت پسندی کی طرف مائل ہے۔ یہ بات ان کے موضوع اور اس کے برتنے کا انداز دونوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن امجد نجمی کی شاعری میں داخلیت پسندی اور خارجیت پسندی ان دونوں کیفیتوں کی اس قدر متوازن اور حسین و جمیل آمیزش نظر آتی ہے کہ انھیں کسی ایک ٹائپ سے منسوب کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فطری، سیاسی، سماجی ہر موضوع پر اُنھوں نے کامیابی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری زمانے کے ساتھ ساتھ اپنا رنگ اور لب و لہجہ بدلتی رہی ہے۔ اس سے ان کی خارجیت پسندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں تصوفانہ اور مابعد الطبیعی رجحانات ان کی داخلیت پسند شخصیت کو واضح طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں اس طرح کی تجرید کافی نظر آتی ہے۔

میں بھی اس ظلمت کدے میں گو ہر نایاب ہوں  اور چمک میں روکشِ خورشیدِ عالم تاب ہوں

اس طرح کی تجرید آپ کو جوش میں کم اور اقبال میں زیادہ ملے گی۔ یہاں میں یہ بات بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ داخلیت پسند کسی شے کو خود اپنے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے، خارجی واقعیت کی رو سے نہیں۔ اس حیثیت سے بھی مندرجہ بالا شعر میں داخلیت پسندی کا اظہار ہوا ہے۔ الغرض شاعری میں امجد نجمی کی شخصیت داخلیت پسندی اور خارجیت پسندی کی متوازن آمیزش کی بڑی دلچسپ مثال ہے۔

جہاں امجد نجمی اقبال کی مابعد الطبیعیات سے متاثر ہیں، وہیں اگر بیسہ کے دیگر کہنہ مشق شعرا میں عبدالرشید نقاد، اقبال کی غزل گوئی سے، برکت اللہ برکت، اقبال کی متصوفانہ طرزِ فکر سے اور عبدالحلیم حلیم اقبال کی مذہبیات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال نے غزل کے قالب میں جو نئی روح پھونکی تھی اس کی خوبصورت پیروی عبدالرشید نقاد کی غزل گوئی میں نظر آتی ہے۔ اس لئے نقاد کے کلام میں قنوطیت کی بجائے رجائیت پائی جاتی ہے۔ فراریت کی بجائے نئی زندگی اور نئی توانائی پائی جاتی ہے۔ نقاد اپنے عزم و عمل پر پوری طرح یقین و اعتماد رکھتے ہیں اور عقل کو دل

کے مقابل میں ناقص تصور کرتے ہیں۔

چیخ پکار سے سوا گرم ہے سردیٔ عمل ‏ ‏ تشنہ طپیدہ روح کو ذوق سے کامگار کر

طول امل نے کھو دیا عمر گراں بہا کا نور ‏ ‏ ظلمت عقل سے نہ اب نفس کو اپنے خوار کر

سید برکت اللہ برکت اڑیسہ کے کہنہ مشق شعراء میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی نظمیں "گاندھی جی" "دل" اور "انسان" ان کی پختہ کاری کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کی شخصیت داخلیت پسند ہے کیوں کہ موضوعات پر ان کا ذاتی تأثر حاوی رہتا ہے۔ اور وہ عمومیت (GENERALISATION) کے بھی قائل ہیں۔ ان کی تصوفانہ افتادِ طبع ذیل کے شعر سے ظاہر ہے جہاں حقیقت و مجاز کا سنگم نظر آتا ہے۔

تبسم ریز ہے یک غزنوی شکلِ ایازی میں ‏ ‏ حقیقت دیکھ لے پنہاں ہے پوشاکِ مجازی میں

جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ صنفِ غزل میں زندگی کے گوناگوں مسائل سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ نہیں ہے، ان کے جواب میں برکت اللہ برکت کا صرف یہ شعر عرض کر دینا کافی ہے جس میں سماجی اور سیاسی بیزاری کا خوبصورت اظہار ہوا ہے:۔

میخانۂ جمہور کے ساقی یہ بتا نا ! ‏ ‏ کیوں چھین لیا جاتا ہے پیمانہ کسی کا

سردار جعفری نے اسی طرح کی غزل گوئی کو ترقی پسند غزل گوئی کے نام سے موسوم کیا ہے۔

محمد عبدالحلیم حلیم کی نظم "ہلالِ عید" ان کے قومی و ملی شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کی غزلوں میں بعض جگہ برکت اللہ برکت کی طرح تصوف کی چاشنی مل جاتی ہے۔ مثلاً

تو بھی تو شیخ دہر میں ہو جا حقیقت آشنا ‏ ‏ سارا جہاں پر دہ چکا شیرازۂ مجاز میں

حکیم عبدالرحیم راقم، سید عبدالحلیم نقیب، عنایت اللہ جرآز اور عبداللطیف عارف کی غزلوں میں سنجیدگی کا عنصر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان شعراء کے کلام میں ایک طرح کا توازن، ایک طرح کا ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔ جس میں "ہوئے نرم سیر" کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

افتادِ نو کا ہوتا ہے شام و سحر نزول ‏ ‏ حرماں نصیب شامِ غریباں ہے آجکل
(راقم)

ادمرے اشکِ محبت کے جواہر پارو! خوب اُمڈو کہ بڑھے اور بھی وحشت میری

ستم شعار مآلِ وفا تو دیکھ ذرا ہوائے شوق مری سوگوار گذری ہے

ضیائے عشقِ کامل کے مقابل خرد کی دھیمی دھیمی روشنی ہے

زیرِ نظر مجموعہ میں جو نظمیں شامل کی گئی ہیں ان میں سے حفظ الباری حافظ کی نظم مخاطب بہ چین؟ سعید اختر کی نظم "مژدۂ امن" مسیح اللہ مسیح کے قطعات بہ عنوان "چینی جارحیت" اور کرامت علی کرامت کی نظم "کفنِ قاتل" اِس بات کی شاہد ہیں کہ اڑیسہ کے شعراء نے سیاسی موضوعات کو بھی فنکارانہ ذمہ داری کے ساتھ نبھایا ہے۔

حفظ الباری حافظ کے کلام میں ایک ایسا رچاؤ ہے جو غالب و اقبال کے غائر مطالعے سے اُن کی شاعری میں آیا ہے۔ ان کی نظموں میں تشبیہات و استعارات اکثر غزل کی روایت سے حاصل کئے گئے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے جذبات کی عکاسی کے لئے ان روایتی قدروں کو اس طرح آئینے کی صورت میں استعمال کیا ہے کہ ہماری نظر صرف عکس پر مرکوز ہوتی ہے، آئینے پر نہیں۔ اس لئے ان روایتی قدروں کے فرسودہ ہونے کا گماں تک نہیں گذرتا، بلکہ ان میں ایک نئی روح، نئی تازگی نظر آتی ہے۔ حفظ الباری حافظ غزلوں میں اوج اور اشاریت کے قائل ہیں۔ لیکن ان کی سادگی میں بھی بڑی دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

پیمانِ وفا باندھ رہے تھے جو یقیں سے ان کو بھی پرستارِ گماں دیکھ رہا ہوں

نہ تابِ ضبطِ غمِ دل، نہ طاقتِ گفتار کسی بھی کام کی اب اپنی خامشی نہ رہی

نورالہدیٰ قائد کی شاعری میں تصوف اور تغزل کا امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں سنجیدگی کے باوجود بیساختگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً

اُف میرے اضطراب کا عالم نہ پوچھئے سر رکھ دیا ہے بھول کے کس کی جناب میں

شمس الہدیٰ شمس کو نوح ناروی (مرحوم) سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ شمس کے خیالات

میں جدت اور طرزِ بیان میں تازگی ہے۔ مثلاً

بادِ صبا نہ زخم دے قلبِ الم نصیب کو     آ کے نہ مجھ سے قید میں تذکرۂ بہار کر

ڈال جا کنجِ قفس میں اے صبا دو چار پھول     موسمِ گل ہے انھی سے دل کو بہلائیں گے ہم

ان اشعار سے کتنی بے چارگی و مایوسی ٹپکتی ہے۔

اڑیسہ کے غزل گو شعراء میں ضمیر غنی ضمیر کا نام بہت اہم ہے کیوں کہ ان کے کلام میں خالص غزل کا لب و لہجہ پایا جاتا ہے جو حسن و عشق کی داستان سے شروع ہو کر واردات قلبی پر ہی ختم ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں بہت ہی نکھرا اور ستھرا جذبۂ شعری نظر آتا ہے جس میں کسی طرح کے تکلف کو دخل نہیں ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں

یہ فسانے ہیں ان مراحل کے     وہ جہاں لٹ گئے جہاں دل کے

اپنا لیا تھا غم کو بڑی کشمکش کے بعد     گر وہ بھی دل کو راس نہ آئے تو کیا کریں؟

غلام رسول نسیم کا ایک شعر ہے:۔

ہمارا باغباں نامہرباں کیوں ہو گیا ہم پر     بس اتنا ہے قصور اپنا گلوں کے رازداں ہم ہیں

یہاں باغباں اور گل جیسی روایتی علامتیں مستعمل ہونے کے باوجود خیال اور جذبہ کی ندرت کی وجہ سے تازگی پیدا ہو گئی ہے۔ غلام رسول نسیم کی نعتیہ غزلوں میں بھی ان کی انفرادیت برقرار رہتی ہے۔ یوں تو نسیم غزل کی روایتی علامتوں کو نعتیہ کلام میں بھی استعمال کرتے ہیں لیکن وہ ان علامتوں کو اس طرح نئی معنویت عطا کرتے ہیں جس سے شعر میں جان آجاتی ہے۔ مثلاً

دل رکھ دیا ہے شمعِ ہدایت کے پاؤں پر     اے شمعِ انجمن تری دعوت کو کیا کروں؟

محمد اسمٰعیل شمسی کا یہ شعر ملاحظہ ہو جس میں واقعیت پسندی کا عنصر غالب ہے۔

اب خار بھی تو دہر میں ہر دلعزیز ہے     اے گل بتا کہ تیری نزاکت کو کیا کروں؟

اڑیسہ کی شاعرات میں سے تمت النساء تمت، عجیبہ خاتون عجب، مصلحت ایزدی مصلحت اور معزہ خاتون موزدں کا کلام شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان خواتین کو کوئی ادبی ماحول نہیں ملا لیکن

صرف ریاضت اور محنت سے انھوں نے اپنے فن کو جس حد تک نکھارا ہے وہ بے حد قابل ستائش ہے۔
عجیبہ خاتون عجب کی نظم "گورنر آصف علی کی آمد پر" اور مصلحت ایزدی مصلحت کی نظم "ہر گام تراد شواسہی" ان دونوں شاعرات کے کلام کی پختگی و شستگی پر دلالت کرتی ہیں۔ معزہ خاتون موزوں کی نظم "مفلس حسینہ" شاعرہ کے ترقی پسند رجحان کو اجاگر کرتی ہے۔ اڑیسہ کی ان شاعرات کے ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے جن میں آپ کو خالص فطری شاعری کی جھلک نظر آئے گی۔

زاہد تری بے کار ہے ہر بار کی توبہ — منظور فقط ہوگی گنہگار کی توبہ
نمود جس سے ہو مقصود وہ ریاضت کیا — خلوص جس سے نہ ٹپکے وہ بندگی کیا ہے
(عفت)
چمن چمن پھول کھل رہے ہیں تہی ہے پھر بھی نظر کا دامن
روش روش دیکھ لی ہے ہم نے گلوں میں بوئے دفا نہیں ہے
(عجب)
موزوں مری حیات کو سوز ازل نصیب ہو — میرے رباب شوق کو نغمات سرمدی ملے
(مصلحت)
(موزوں)

ممکن ہے اردو دنیا کے لئے یہ حقیقت بھی دلچسپی کا باعث ہو کہ اڑیسہ میں اردو کے ہندو شعرا بھی موجود ہیں جن میں سے تلوک ناتھ انجم کا کلام زیر نظر مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے اردو کی ہمہ گیر مقبولیت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ تہذیبی ورثہ ہے۔

سعید اختر کا نام اس لئے اہم ہے کہ ان کے بعد کے تقریباً تمام شعرا میں ترقی پسند شاعری کا اثر بہت گہرا نظر آتا ہے۔ اس وقت بعض نوجوان شعرا نظم و غزل کے اسالیب میں کامیاب تجربے کر رہے ہیں تجرباتی شعرا میں سعید اختر، خلیل تاباں، ظہیر اللہ نور، حیدر نایاب، رفیق درد، بہار الدین ریاض کرامت علی کرامت، جبار جلیل، محب الرحمٰن کوثر، اور خالد رحیم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ظہیر اللہ نور نے اپنی نظم "رقاصہ" میں "رگ و پے میں بجلیوں کا ہجوم" "زاویوں کی قوس قزح" "دائروں کی کاہکشاں" وغیرہ بہت ہی موزوں اور نادر IMAGERIES کی ایجاد کی ہے۔ یہ تراکیب محض نظم کا حسن بڑھانے کے لئے مستعمل نہیں ہوئی ہیں بلکہ شاعر کے جذبات کی صحیح ترجمانی

کے لئے موزوں ہوتی ہیں۔ ظہیر اللہ نور کی نظم "رقاصہ" بودلیئر کی نظم (LE SERPENT QUI DANSE) اور ایذرا پاؤنڈ کی نظم "DANCE FIGURE" کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ جہاں بودلیئر نے رقاصہ کو ریشم پر چمکتی اور تھرکتی ہوئی کرن کے ساتھ اور ایذرا پاؤنڈ نے اس کی باہوں کو کسی درخت کی شاخ سے پھوٹی ہوئی کونپل کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وہیں ظہیر اللہ نور نے "زاویوں کی قوس قزح" اور "دائروں کی کاہکشاں" جیسی ترکیبوں کے استعمال سے رقص کی وجد آفریں کیفیت کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

بہار الدین ریاض کی نظم "جائز تمنا" اور محبوب الرحمٰن کوثر کی نظم "امید" دونوں میں والٹر ڈیلا میئر کی طرح پراسرار فضا پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ان دونوں نظموں میں گتھی کو سلجھایا نہیں گیا ہے بلکہ اُسے اور بھی الجھا دیا گیا ہے جس سے فضا اور بھی پراسرار ہو گئی ہے۔ دونوں نظموں میں ہمارے تحت الشعور کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور آج کی جدید بین الاقوامی شاعری کا بھی یہی رجحان ہے۔ مثلاً ننھی کرن سے متعلق محبوب الرحمٰن کوثر کا یہ کہنا کہ

آؤ خوش آمدید اس کو کہیں ورنہ وہ ہم سے روٹھ جائے گی

ہمیں خود کو یہ سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ "کیوں روٹھ جائے گی؟" اس کے جواب کی تلاش میں ہم اپنے آپ میں ڈوب جاتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش تحت الشعور کے خفتہ جذبات کو جھنجوڑتی ہے، جس سے ہمارے ذہن میں جمالیاتی نشاط پیدا ہوتا ہے اور یہی اس نظم کا اصل مقصد ہے۔

کرامت علی کرامت نے اردو نظم و غزل میں کئی طرح کے تجربے کئے ہیں۔ انھوں نے اردو و فارسی کے کلاسیکل ادب سے بھی استفادہ کیا ہے اور بین الاقوامی ادب کی جدید قدروں کو بھی اپنانے کی سعی کی ہے۔ نظم "طفلک شوق" جسے انھوں نے اپنی ننھی بچی سے متاثر ہو کر لکھا ہے، اس کے مختلف بند میں ظاہر بے ربطگی نظر آتی ہے۔ لیکن اس بے ربطگی کی وساطت میں ہی ایک طرح کا ربط و تسلسل قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی اس نظم کی خصوصیت ہے۔ مختلف بند میں

زندگی کے مختلف تجربات کا ارتقاء دکھلایا گیا ہے۔ اور یہ امر اس بات کی علامت ہے کہ

طفلکِ شوق کا دلِ بے تاب — چاہتا ہے جوار تقائے نظر
بڑھ کے جیب بنے فلک پیما — تو بدل دے نظامِ شمس و قمر

مذکورۂ بالا نظم میں DOUBLE & TRIPLE IMAGERIES پر بھی تجربہ کیا گیا ہے۔
نظم "کف قاتل" جو چینی جارحیت سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے' اس میں دار و رسن کی روایت کو ملزوم خارجی کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس نظم میں جو ذہنی پیکر (IMAGES) مستعمل ہوئے ہیں' وہ شاعر کے جذبات کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ کرامت علی کرامت کی شاعری بعض جگہ صرف تحت الشعور کو متاثر کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ مثلاً ان کا یہ قطعہ لیجئے:۔

چشمِ مے گوں کے اک اشارے پر — یوں چھلک اٹھا میرا پیمانہ
شمع کی لو کے تیز ہوتے ہی — جل کے ہو خاک جیسے پروانہ

یہاں جس ماورائی اصلیت کی طرف اشارہ ہے' وہ کسی منطقی تنظیم کی مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ تحت الشعور کی کیفیت سے ہی محسوس کی جا سکتی ہے۔

کرامت علی کرامت کا ایک شعر ہے:۔

شفق میں کوندتی پھرتی ہے یہ دل کی پکار — کہ آہ نسیم شبی کا زمانہ آیا ہے

یہاں SYNESTHESIA کا تجربہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر "بجلی کا کوندنا" کہا جاتا ہے۔ لیکن "دل کی پکار کا کوندنا" سے کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ آہ نیم شبی میں آواز اور التہاب کی ملی جلی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہاں ان دونوں مختلف کیفیتوں کو بیک وقت یک جا پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
کرامت علی کرامت نے غزلوں میں بعض جگہ سرریالزم کی ٹکنک سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً

بھری نظر میں' وقت کا تودہ پگھل گیا — اے دل کرشمۂ تپشِ انتظار دیکھ

یہاں "وقت کا تودہ پگھلنا" کی ترکیب خواب کی کیفیت سے حاصل کی گئی ہے۔

غالب فہمی کی نظم "جلتے دیئے" میں شاعر کے ذاتی جذبات و احساسات بڑے پُرخلوص انداز میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس لئے شاعر کا خلوص ہمیں متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کا یہ بند لیجئے:-

اب خلاؤں میں بھٹکتی ہے تمنا میری    میری تقدیر میں ظلمت کے سوا کچھ بھی نہیں
میرے جذبات کے گلزار میں ویرانی ہے    اور آنکھوں میں شکایت کے سوا کچھ بھی نہیں

اس بند میں کتنا تاثر ہے! یہ بند گویا پوری نظم کا نچوڑ ہے۔ غالب فہمی کی شاعری میں زندگی کے گوناگوں تجربات کی خوبصورت ترجمانی ہوتی ہے۔

حیدر نایاب نے غزل گوئی میں قابلِ ذکر تجربے کئے ہیں۔ انھوں نے بعض ایسی IMAGERIES کا استعمال کیا ہے جو کسی منطقی اصول کی مرہونِ منت نہیں ہیں۔ بلکہ جن کی ماورائی اصلیت ذکاوت کی مدد سے سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً

ان کا غمزہ ہے کہ پھولوں پہ سلگتی شبنم    اس نزاکت پہ کوئی دل کو نہ وارے کیسے

بعض جگہ حیدر نایاب کے خیالات میں جدت اور انداز بیان میں بے ساختگی نظر آتی ہے۔ ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

جادۂ شوق سے اب مٹ گئی ثابت قدمی    ہر قدم پر ہے نئی لغزش پا، کیا کہئے
غیر ہو تھے گر نہ میرے ہو سکے تو کیا گلہ؟    اپنا دل، جو کل تلک اپنا تھا، بیگانہ ہے آج
سنگِ در سے رفتہ رفتہ آ گئے ہم دار تک    دیکھئے ان کی محبت لے کے جاتی ہے کہاں

نئے لکھنے والوں میں حیدر نایاب کے علاوہ مسیح اللہ مسیح، بہار الدین ریاض، غالب فہمی، جبار جلیل، عبدالمجید فیضی، جلال الدین بدر، محمد سعید سعید، خالد رحیم وغیرہ کی شعری صلاحیتوں کے پیشِ نظر ہماری بڑی توقعات ان حضرات سے وابستہ ہیں۔

خالد رحیم کی مختصر نظم "بارہا" شاعر کی ذہنی پریشانیوں کو کامیابی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ شاعر جس وقت عالمِ تنہائی سے بیزار ہو کر کتابوں سے دل بہلانا چاہتا ہے تو

اس وقت اس کو خیال آتا ہے

یہ کتابیں بہت پرانی ہیں بارہا ان کو پڑھ چکا ہوں میں

اس آخری شعر سے کس قدر مایوسی ٹپکتی ہے!

یہاں اس بات کا ذکر بھی غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اڑیسہ کے بعض غزل گو شعراء کی غزلوں میں بھی روحِ عصر کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً سعید اختر کا یہ شعر لیجئے:۔

یہ سہمے سہمے سے گل، یہ اداس اداس چمن بہار چیخ رہی ہے کہ میں بہار نہیں

یہاں "بہار خود کو بہار کہتے ہوئے شرماتی ہے" اس حقیقت کو "بہار چیخ رہی ہے کہ میں بہار نہیں" کہنے کی وجہ سے انداز بیان میں تازگی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ شعر عصرِ حاضر کی غیر اعتمادی کو بڑے خوبصورت پیرائے میں ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح حافظ رفیق درد کے اس شعر کو لیجئے:۔

نہ دے آواز اے عمرِ گذشتہ میں مڑ کر دیکھ لوں؟ فرصت نہیں ہے

یہ شعر موجودہ زندگی کی تیز رفتاری کو واضح کرتا ہے جو اپنی قدیم روایتوں سے بے نیاز ہو کر ایک نامعلوم منزل کی طرف گامزن ہے۔

موجودہ خلائی سفر کا اثر اڑیسہ کے غزل گو شاعر عبدالصمد آصف پر اس طرح پڑا:۔

ہم چاند پر چلے کہ سرِ کہکشاں چلے لے کر تمہاری یاد چلے، ہم جہاں چلے

ظاہر ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے کا کوئی شاعر اس طرح کا شعر نہیں کہہ سکتا تھا۔

عبدالصمد پرتمی طنز و مزاح کی دنیا میں اپنا جواب آپ ہیں۔ وہ اردو کے روزمرہ اور محاورات کو بحسن و خوبی اپنے شعری پیکر میں سمو لیتے ہیں۔ ان کی طنز کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ ان کا موضوعِ سخن بیسوی صدی کی جھوٹی محبت سے شروع ہو کر لیڈروں کی ٹی پارٹی ایٹ ہوم اور ڈنر تک پہنچتا ہے۔ اور انھوں نے عالموں کو جاہلوں کے لئے ووٹ دیتے ہوئے

بھی دیکھا ہے اور کابلیوں کے سود کی تباہ کاریوں پر بھی ان کی نظر پڑی ہے۔ ذیل کا ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے ایک اپ ٹو ڈیٹ محبوبہ کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے، جو "محبوبہ" کے کلاسیکل تصور سے مختلف ہے۔

ان کی جو یہ پتلی، یہ لچک دار کمر ہے — سچ پوچھو تو یہ بھارت نا ٹیم کا اثر ہے

اب آیئے، حصۂ سوم کے شعرا کے کلام کا جائزہ لیں۔

شمس منیری کے کلام میں سادگی کے ساتھ بے ساختگی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی غزل گوئی رشتۂ حسن و عشق کی روایتی داستانوں تک محدود نہیں، بلکہ اس کے ابدی اور غیر فانی پہلو تک جا پہنچتی ہے۔ یہیں سے تصوف کا پہلو شروع ہوتا ہے۔ مثلاً

آستاں پر ترے جھکا تھا کبھی ! — سر میں اب تک غرور ہے اے دوست

حال آں کہ شمس منیری کا یہ شعر

منزل بھی ایک، راہ بھی ایک، اختلاف کیوں؟ — بس یہ کہ بڑھ گئے ہیں ذرا کارواں سے ہم

فارسی کے اس شعر

فیضی از قافلۂ کعبہ رواں نیست بروں — ایں قدر ہست کہ از ما قدمے در پیش است

کا ایک طرح سے ترجمہ ہے، تاہم صرف ایک لفظ "ذرا" میں وہ کیفیت پنہاں ہے جس سے پورے شعر میں تازگی پیدا ہو گئی ہے۔

اصغر علی بیدل کے کلام میں سادگی و پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ وہ خالص غزل کے شاعر ہیں۔ موصوف سیدھے سادے الفاظ میں ہی زندگی کے گہرے فلسفے کے رخ سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ مثلاً

درخت عشق کچھ ایسا درخت ہے جس کو — ہر اک زمین میں ممکن نہیں لگا دینا

بیدل کے کلام میں مصحفی، آتش، ناسخ، داغ جیسے اساتذہ کا اثر نمایاں ہے۔

# پیش لفظ

ذیل کے شعر میں کس قدر بے ساختگی ہے ملاحظہ فرماتے:۔

شباب آیا کسی کا کہ ایک فتنہ نے ۔۔۔ نکالی راہ نئی سر اٹھا کے آنے کی

عبدالجلیل خنجرؔ پر میرؔ کا پرتو بہت گہرا ہے۔ ان کے یہاں ایسے نادر اشعار کی تعداد کم نہیں ہے۔

بلندی آسماں کی بڑھ گئی ہے ۔۔۔ مری آہوں میں کچھ پستی نہیں ہے

کیا طوالت ہے اُن کی زلفوں کی ۔۔۔ میرے سر پہ بلا نہ آجائے

سید منظر دسنوی اگر صرف یہ ایک شعر ہی کہتے پھر بھی ہم انھیں شاعر ضرور تسلیم کرتے:۔

ہاتھ میں آکے ترے گل ہوا ممنون ترا ۔۔۔ چاہتا تھا یہ ذرا اور نمایاں ہوتا

اس شعر میں کتنی معنوی وسعت اور جذباتی گہرائی ہے۔ سید منظر دسنوی نے جگرؔ، حسرتؔ، شادؔ وغیرہم سے شعوری طور پر کافی گہرا اثر قبول کیا ہے۔ موصوف کی شان تغزل کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

دیکھا جو دل محزوں کو ہم نے ایک عجب عالم تھا ۔۔۔ اجڑی ہوئی محفل تھی گویا ٹوٹا ہوا پیمانہ تھا

ان کی نظروں کا گلہ کیا، شکوۂ اغیار کیوں؟ ۔۔۔ خود ہمارا شوق نکلا فتنہ ساماں دیکھئے

حالاں کہ موصوف کے کلام میں اکثر غم جاناں، غم دوراں پر حاوی ہے پھر بھی زندگی کے پختہ تجربات نے انھیں یہاں تک پہنچایا ہے:۔

تلخئ دوراں ہے منظرؔ اس قدر ہمت شکن ۔۔۔ اب کہاں تک کیجئے زلفوں کے سلجھانے کی بات

مظہر امامؔ کی شاعری میں نرمی، لطافت اور رچاؤ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کی نظم "بیوہ" خالص شاعری (PURE POETRY) کی بہترین مثال ہے جس میں کسی طرح کا شاعرانہ تکلف موجود نہیں ہے بلکہ جو ایک نہر کی طرح صاف ستھری اور رواں دواں ہے۔ اس میں شاعر کا کوئی پیغام نہیں ہے، بلکہ خالص جذبات کا، پرکاری کے ساتھ اظہار ہوا ہے۔ یہ نظم

طارمے کی طرح درد و کرب میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں (SUCCESSION OF IMAGES) مثلاً "نہل بجبیں چشم و عارض کی شادلبیاں" "عشق اور عقل پر گرد غم جم گئی" "منجمد ہو گئے رنگ و بو کے کنول" جیسی تراکیب کا استعمال شاعر کی ذہنی الجھنوں کو قاری کے دل و دماغ میں شدید سے شدید تر کرتا جاتا ہے۔ آخر میں جس وقت شاعر کہتا ہے

میرے جذبات کی بیوگی دیکھ لو          ہائیتی، کائیتی شاعری دیکھ لو

تو اس "ہائیتی کائیتی" جیسے الفاظ کے تلازم میں نہ جانے کتنے جذبات کی دنیا انگڑائیاں لیتی نظر آتی ہے۔ اس طرح کی کامیاب "خالص شاعری" کی تعداد اردو شاعری میں بہت کم ہے اس لئے اردو کے جدید شعراء کو چاہئے کہ مقصدی ادب کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس طرح کی "خالص شاعری" پر بھی اپنی توجہ مرکوز کریں۔

"آؤ" مظہر امام کی ایک خوبصورت مختصر نظم ہے۔ ایک مختصر نظم کے لئے جس ٹکنک کی ضرورت ہے، وہ طویل نظم کی ٹکنک سے مختلف ہے۔ اور مظہر امام کو دونوں طرح کی ٹکنک پر عبور حاصل ہے۔

"بے ادب ستاروں نے ، نیند میں مخل ہو کر، تم سے کچھ کہا ہوگا"

جیسے ملزومات خارجیہ کے استعمال سے تشکیک کا جذبہ بہت کامیاب طریقے پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس نظم کے ابلاغ میں جذبات کی اضافی فراوانی پائی جاتی ہے اور یہی اس نظم کی کامیابی کی روشن دلیل ہے۔

مظہر امام کے کلام کا انوکھا پن خود ان کی فطری مناسبت سے تعلق رکھتا ہے۔ ذیل کے شعار ملاحظہ ہوں:-

سائے میں زلفِ غم کے آرام کر رہا ہوں          تو کس کو ڈھونڈتی ہے اے گردش زمانہ

لوگو! مری آشفتہ سری پر نہ کرو طنز          الزام اٹھے گا کوئی اس زلف کے سر سے

جگمگاتے ہوئے خیالوں کی          اونگتی تیرگی بھی دیکھی ہے

# پیش لفظ

خواب زاروں کی شفق ہو جیسے زیست پھولوں کا ورق ہو جیسے

محب الرحمٰن کوثر کی غزلوں میں متانت اور توازن ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے جن سے ان کا فلسفۂ حیات واضح ہوتا ہے:۔

یہ امتیازِ بہار و خزاں ہے لا حاصل مِسں چمن کبھی دیکھا بھی تونے 'ویرانہ'؟

زندگی سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں؟ موت، ہستی ہی کی اک شکلِ دگر ہے کہ نہیں؟

یہ فلسفۂ حیات کا وہ مقام ہے جہاں سے تصوف کا پہلو شروع ہوتا ہے۔

سید شکیل دسنوی کی شاعری بڑی تیزی سے رنگ بدلتی رہی ہے۔ تاہم یہ کہنا دشوار نہیں کہ ان کے کلام پر جگر کا اثر بہت گہرا ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ نزاکت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً

غمِ زندگی تجھ کو زحمت تو ہوگی میں تو بہ ذرا توڑنا چاہتا ہوں

آخر میں اگر لیسہ کے چند قابلِ ذکر شعراء کے ایسے اشعار پیش کر رہا ہوں جن میں کم از کم نئے انداز میں "کچھ" نئی بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے اور جن کو دورِ جدید کی اردو غزل کے کسی بھی انتخاب میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

کب بھلا چھوٹا ہے ہم سے کاروانِ الوں کا ساتھ ہم بھٹک کر بھی غبارِ کارواں تک آگئے
(اسجلی)

اک اجالا سا نظر آتا ہے پیمانے میں آج کیا بات ہے ساقی ترے میخانے میں؟
(برکت)

چلو ہم بھی وفا سے باز آئے محبت کوئی مجبوری نہیں ہے
(مظہر امام)

عجیب چیز ہے پیمانۂ حجابِ نظر چھلک گیا تو کوئی شے بُری بھلی نہ رہی
(حافظ)

سنا ہے ان کو نیند آتی ہے سن کر داستاں کوئی مگر نیند آئے جس سے وہ ہماری داستاں کیوں ہو
(بیکل)

بے کیف ہے حیاتِ خضر بھی ترے بغیر باز آئے ایسی زندگیٔ جاوداں سے ہم
(منظر)

ابھر رہا ہے تصور میں ایک پیکرِ ناز ابھی کچھ اور ضرورت ہے آزری کے لئے
(کرامت)

میں نے ہی خود کو کبھی خود سے گذرنے نہ دیا
ورنہ کیا اِذن مجھے تیری نظر نے نہ دیا
(سعید اختر)

موسمِ گل ہے دور ابھی اس کا نہ انتظار کر
خونِ جگر کے رنگ کو زینتِ صد بہار کر
(شمس)

شبِ ہجر کے لمحہ لمحہ کا رشتہ
شبِ وصل سے جوڑنا چاہتا ہوں
(انور)

کیوں نہ اہلِ جنوں کو میں آواز دوں
لیلیٰ شب کی اب زلف سر ہوگئی
(ضمیر)

آئے جو گاہ گاہ نظر مجھ کو خواب میں
سوز و غم بڑھا گئے اک اضطراب میں
(قائد)

مطرب تو دیکھ بھال کے رکھ اپنی انگلیاں
سازِ حیات کا کہیں ٹوٹے نہ تار دیکھ
(درد)

ہم سفر تاریکیٔ شب سے نہ ڈر
صبحِ نو تک فاصلہ دو گام ہے
(جبار جلیل)

میں تجھ کو بھلا دوں مگر اس بات کا ڈر ہے
خود آپ نہ گر جاؤں کہیں اپنی نظر سے
(کوثر)

ذرہ ذرہ ان کے رخ کی ضو سے رشکِ طور ہے
انجمن در انجمن یوں اپنا ویرانہ ہے آج
(نایاب)

گر جبیں وقفِ در نہیں ہوتی
بندگی معتبر نہیں ہوتی
(تاباں)

کبھی ہجر کی تپش میں، کبھی سوزِ غم میں جل کر
مرا دل جو دل بنا تو اسی سانچے ہی میں ڈھل کر
(شاکر)

اے گردشِ دوراں مجھ پہ نہ ہنس، یوں تیرا بھرم کھل جائے گا
دل کھول کے خود پر ہنس نہ سکوں، اتنا تو ابھی مجبور نہیں
(شکیل)

مجھے امید قوی ہے کہ "آبِ خضر" کے مطالعہ کے بعد اڑیسہ سے باہر اردو کے پرستارانِ شعر و ادب کو اس "بچھڑے ہوئے ادبی کارواں" کی سرگرمیوں سے متعلق ایک مجموعی طور پر اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ خود اڑیسہ کے اردو داں طبقہ کو بھی اس امر کا احساس ہو سکے گا کہ یہاں کی سرزمین میں اردو زبان و ادب کی جڑیں بہت ہی گہرائی تک پیوست ہیں۔

میں اڑیسہ کے ان تمام شعراء کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے اپنی اپنی بیاض میرے حوالے کرکے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی مدد کی۔

## پیش لفظ

میں جناب پروفیسر منظر دسنوی، جناب عبدالمالک معصوم پوری، جناب عبدالرحیم راقم اور جناب شیخ محمود بالیسری کا شکر گذار ہوں کہ ان احباب کے توسط سے بالترتیب چرخی، ظہوری، حازم اور عبد کا کلام مجھے حاصل ہوا۔

خوش نویس غلام رسول نسیم اور مطابع دہر ناصری صاحبان کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں کہ ان احباب نے کتاب کو خوبصورت بنانے کی حد درجہ کوشش کی۔

اپنے مخلص دوستوں میں حیدر نایاب، حفظ الباری حافظ، شیخ انور اور شیخ ممتاز علی صاحبان کا ممنون ہوں کہ ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی کی وجہ سے اس قدر جلد یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچ سکی۔ ورنہ شاید برسوں تک یہ کام مکمل نہ ہو سکتا۔

میں ان تمام شعرائے کرام سے معذرت خواہ ہوں جن کا کلام بعض مجبوریوں کی وجہ سے زیرِ نظر مجموعہ میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ اُمید کہ ان شاءاللہ "آبِ خضر" کے دوسرے ایڈیشن میں اس کی تلافی ہو جائے گی۔

اس انتخاب میں جو کچھ خامیاں رہ گئی ہیں، اُن کی ذمہ داری سراسر میرے ذوقِ شعری پر عائد ہوتی ہے۔ اِس سے میرے خلوصِ نیت پر شبہ نہ کیا جائے، یہی میری درخواست ہے۔

کٹک
۲۹ رجون ۱۹۶۳ء

کرامت علی کرامت

# حصہ اول

پھول برسائے ہیں فطرت نے گلستاں کے لئے
ہو جنوں اب نہ پریشاں کسی ساماں کے لئے
محمد محسن محسن

دکھلا کے عکس کفشِ رسالت مآبؐ کا
سونا اُتار لوں ورقِ آفتاب کا
معلم سنبھل پوری

رحمتِ شوریدہ سر گر قائلِ تقدیر ہے
پھر یہ شکوہ کیوں کہ تدبیریں پریشاں ہو گئیں
رحمت علی رحمت

# شیخ امین اللہ چرخی

وفات ۱۲۹۶ھ یا ۱۸۷۹ء

## قطعہ

عاشق ہو اگر دل بتِ عیار پہ دے دو
جان اپنی تم اک جلوۂ دلدار پہ دے دو
دے دو خرد و ہوش کو اک ناز پہ اس کے
اور صبر و سکوں زلف کے ہر تار پہ دے دو

## حمد

لکھ قلم حمد و ثنائے عزوجل — کر رقم نامِ خدائے عزوجل
پھر رہا ہے پتلیوں کے درمیاں — لمعۂ نورِ لقائے عزوجل
ذرہ اور خورشید سا ہر آنکھ میں — جلوہ آرا ہے ضیائے عزوجل

آمین اللہ چرخی

ہے ازل سے تا ابد بے شبہ و ریب

دیدۂ چرخی میں جلائے عزوجل

نہایت ہے سودائیوں کا ہجوم

سدا گرم ہے تیرا بازارِ فیض

کہوں تجھ سے اے بندۂ ملتجی

کہ ہو حق سے اپنے طلبگارِ فیض

لبِ آرزو کھول مثلِ صدف

برستا ہے ابرِ گہر بارِ فیض

ہر اک حال میں دمبدم چرخیا

ترے رب کا ہے تجھ پہ انوارِ فیض

دیکھ لو تم کھول اپنی چشمِ بینا دیکھ لو

عالمِ ایجاد کا کچھ تو تماشا دیکھ لو

طاقتِ نظارۂ روئے صنم ہے گر تمھیں

طلعتِ زیبا کو اُس کی رونق افزا دیکھ لو

صنعتوں میں صانعِ مطلق نظر آتا ہے صاف

صورتوں میں اپنی قدرت اُس کی پیدا دیکھ لو

# ظہور الحق ظہوری

وفات ۱۹۰۶ء

## مستزاد

یا رسولِ عربی فخرِ انام

لیجئے میرا سلام

آپ کے در کا ہوں ادنیٰ سا غلام

لیجئے میرا سلام

زُبدۂ خلقِ جہاں قاسمِ خلد و جناں

باعثِ امن و اماں سیدِ کون و مکاں

صدق سے اہلِ زمیں جن و ملک اہلِ سما

ساری مخلوقِ خدا

آپ کے ذکر میں مصروف ہیں یاں صبح و شام

لیجئے میرا سلام

آپ ہیں شاہِ امم دافعِ رنج و الم
پیکرِ لطف و کرم مالکِ ملکِ نعم

امتوں میں ہے ظہوری یہاں ناچیز و حقیر
ایک ادنیٰ سا فقیر
کیجئے اس پہ نظر لطف و عنایت کی مدام
لیجئے میرا سلام

# معلّم سمبل پوری

## حمد

اے ناظمِ دفترِ دو عالم — اے حاکم و بادشاہِ اعظم

اے موجبِ ہر فراز و پستی — اے باعثِ کائنات و ہستی

اے منتظمِ نظامِ عالم — ہے تجھ سے ہی انتظامِ عالم

غنچوں میں نسیم میں تو ہی ہے — پھولوں میں شمیم میں تو ہی ہے

گوہر میں صدف میں بحر میں تو — طوفاں میں بھنور میں لہر میں تو

ہے دیر و حرم میں نور تیرا — ہر ذرہ میں ہے ظہور تیرا

پیغامبروں نے تجھ کو ڈھونڈا — ریفارمروں نے تجھ کو ڈھونڈا

دوڑائے قیاس عاقلوں نے — سیارے گنے منجموں نے

فرمایا کسی نے ما عرفناک :

چکرائے کسی کے وہم و ادراک

# نعت

اے فخرِ بشر حبیبِ یزداں — اے مہبطِ جبرئیل و قرآں

اے شاہِ رسل، انیسِ امت — اے ناصرِ کُل، خدا کی رحمت

اخلاقِ ادب سکھائے تو نے — سب جہل و حسد مٹائے تو نے

تو نے ہمیں حکمتیں سکھائیں — توحید کی منزلیں دکھائیں

قائم کیا اتفاق تو نے — اور دور کیا نفاق تو نے

اس قوم کا ناخدا تو ہی ہے — اسلام کا رہنما تو ہی ہے

اصحاب نبی پہ جاں فدا ہے — احبابِ نبی پہ جان فدا ہے

صلوٰۃ ہو روحِ مصطفیٰ پر
پھر آل و صحابۂ ہُدیٰ پر

# قصیدہ در مدح حضرت امام حسینؓ

آپ ہیں سبطِ پیمبر اے شہِ نیکو خصال — شاہِ دیں، شاہِ ہُدیٰ محبوبِ ربِّ ذوالجلال

مجمعِ لطف و کرامت، منبعِ جود و سخا — مطلعِ مہرِ مروّت، مرجعِ فضل و کمال

نیرِ برجِ علیؓ مہرِ سپہرِ فاطمہؓ — ماہِ چرخِ مصطفیٰ، نورِ نگاہِ ذوالجلال

مہرِ گردونِ کرامت، ماہِ چرخِ منزلت — اخترِ برجِ شرافت، صاحبِ عز و جلال

آپ فخرِ خاندانِ مصطفےٰ ہیں شاہِ دیں
افتخارِ دودمانِ شیرِ ربِ لایزال

جنگ پر جاتے تھے جب اے ضیغمِ شیرِ خدا
رعب سے سب بھاگ جاتے تھے عدوِ بد خصال

بخششِ امت کی خاطر سر کٹایا آپ نے
آپ کو رتبہ شہادت کا ملا بے قیل و قال

یہ غلامِ کمتریں بھی آپ کا مداح ہے
حشر میں یا شاہ اس کا رد نہ کیجے گا سوال

حشر میں پیشِ خدا میری شفاعت کیجئے
جرم و عصیاں کے سبب سے ہو رہا ہوں خستہ حال

یا شہنشاہِ زمن بہرِ خدا بہرِ رسول
حشر میں خادم معلم کا بھی فرمائیں خیال

## غزلیات

تماشہ دیکھئے زاہد کی بے حیائی کا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

اگر ہے شوق خدا تک تمہیں رسائی کا
بتوں کے در پہ کرو قصد جبہ سائی کا

پھرے ہیں اس شہ خوباں کے عشق میں مفلس
نہ بھیک کے لئے کاسہ رہا گدائی کا

تلاشِ یار میں حاجت نہیں ہے خضر کی بھی
کہ شوق کرتا ہے اب کام رہنمائی کا

درِ بتاں پہ معلم کرو جبیں سائی
یہ وقت خوب ہے تقدیر آزمائی کا

رخ سے ترے غضب ہے الٹنا نقاب کا
عالم کو ہو گیا ہے گماں آفتاب کا

دکھلا کے عکس نقشِ رسالت مآب کا
سونا اتار لوں ورقِ آفتاب کا

لاتقنطوا پہ ہم کو بھروسہ ہے سات دن
زاہد تجھے ہے خوف حساب و کتاب کا

مسجد کے زیر سایہ خرابات بھی ہے شیخ
فرمایئے کدھر ہے ارادہ جناب کا

کرنا نگاہِ لطف معلم پہ یا خدا
یہ امتی ہے شافعِ یوم الحساب کا

بہارِ حسن وہ گلرو دکھا دے جب عیاں ہو کر
گلِ خورشید سے پتے جھڑیں برگِ خزاں ہو کر

نہ آیا ساقیٔ دریا دل اپنا وائے ناکامی
ہوئی ہے ایک مدت کشتیٔ مے کو رواں ہو کر

جفا سے جور سے انداز سے عشوہ سے غمزہ سے
ستم وہ مجھ پہ ڈھاتے ہیں شریکِ آسماں ہو کر

میرے بالیں پر شبِ فرقت جو یہ سوزاں ہے شمع
مونس و ہمدم ہے میرے حال پر گریاں ہے شمع

ہم جلا کر جان و دل کو غم میں یوں مفلس ہوئے
صبح دم جل بجھ کے جیسے بے سر و ساماں ہے شمع

روئے تاباں شعلہ رُو تیرا نہیں زیرِ نقاب
شمعِ فانوسی ہے یا روشن تہِ داماں ہے شمع

شمع پر پروانے ہوتے ہیں تصدق بار بار
بزم میں لیکن فدائے جلوۂ جاناں ہے شمع

جاتے ہی اُس شمع رو کے جھلملانے لگ گئی
انجمن میں اب کسی دم کے لئے مہماں ہے شمع

جلوہ گر تاریک تن میں ایک ہے دل کا چراغ
کیوں نہ ہو؟ دیکھا ہے اس نے پیرِ کامل کا چراغ

کامیابی اب مجھے ایسے دکھاتی ہے جھلک
دور سے جیسے نظر آتا ہو منزل کا چراغ

جھینپ کر اس شعلہ رُو کے جلوۂ رخسار سے
جھلملانے لگ گیا ہے آج محفل کا چراغ

رو برو آگر مہ و خور ہو گئے بے نور جب
کس طرح پھر ہو سکے تیرے مقابل کا چراغ

جلوہ گر محراب کعبہ میں چراغِ نور ہے
ہاں فروزاں بیچ دو ابرو کے ہے تِل کا چراغ

مجھ سا روشن دل معلّم ہو گیا جس دم شہید
بن گیا ہر قطرۂ خوں تیغِ قاتل کا چراغ

کوچے میں بتوں کے آج جا کے
ہم ہو گئے معتقد خدا کے

قابو میں ہمارے دل کو پا کے
کچھ طور ہیں بدلے دلربا کے

گلشن میں نسیم آج آ کے
لے جاتی ہے کچھ چُرا چھپا کے

وہ کہتے ہیں آ کے تم باذنی
ٹھوکر مری گور پر لگا کے

بھولو نہ خدا کو اے معلّم
دنیا میں بتوں سے دل لگا کے

وہ کون سر ہے جس میں کہ سودا ترا نہیں
وہ کون دل ہے جو ترا خلوتکدہ نہیں

ان گلرخوں میں رنگِ محبت ذرا نہیں
غنچہ دہن ہیں، نام کو بوئے وفا نہیں

تم سا جہاں میں کوئی نہ عشرت گزیں ہوا
مجھ سا کوئی زمانہ میں رنج آشنا نہیں

## ایک شعر

پایا نہ کچھ لگا کے بتِ بے وفا سے دل
توبہ کرو، لگاؤ معلّم خدا سے دل

# محمد یوسف یوسف

پیدائش ۱۸۷۴ء　　　　وفات ۱۹۲۴ء

فقط اک شمع بالیں پر ہے وہ بھی سخت افسردہ
مزارِ بے کساں پر کس قدر حسرت برستی ہے

محبت مہ جبینوں کی بڑی دولت تو ہے لیکن
یہ وہ دولت ہے ہوتے پر بھی جس کی تنگ دستی ہے

نہیں اپنے برابر ہم سے رندوں کو سمجھتا تو
خدا کا خوف کر زاہد یہ کیسی خود پرستی ہے

دلِ پُر آرزو کا میرے خواہاں کون ہو یوسف
کہ بازارِ محبت میں بہت یہ جنس سستی ہے

تو جو شمع سر کاشانۂ خوبی ٹھہرا
ہم سے عشاق کو عہدہ ملا پروانوں کا

کشورِ حسن میں لیلیٰ کی جگہ تجھ کو ملی

قیس کے بعد میں مالک ہوا ویرانوں کا

ہے تمنا دلِ یوسف کی کہ مرکر یارب

ہوں بگولا میں مدینہ کے بیابانوں کا

یہ نزاکت قتل کا بیڑا اٹھائے ہاتھ سے قاتل کے خنجر گر پڑا

محتسب کو دیکھ کر تھرا گیا ہاتھ سے ساقی کے ساغر گر پڑا

ہے مجھے شوقِ شہادت اس قدر پائے قاتل پر میں جا کر گر پڑا

ناتوانی اس قدر یوسف رہی

میں کھڑا ہونے اٹھا پر گر پڑا

پھوڑا سینے میں ہو گیا غم کا اب بھروسا نہیں مرے دم کا

ساتھ میرے نہ رو سکی ہرگز بڑا دعویٰ تھا مجھ سے شبنم کا

زہر شربت میں مجھ کو دے کر وہ

کہتے ہیں پی لے جام ہے جم کا

# عبدالمجید بھویاں

## نعت

دکھا دو یا رسول اللہ کرم سے روئے نورانی
تپش ہے دل میں اور افزوں جگر کی ہے پریشانی

کلیجہ منہ کو آتا ہے میں ہر دم آہ بھرتا ہوں
نہیں تحریر کے قابل مرے جذبوں کی طغیانی

کرو اب عاصیوں کی مشکلوں کو حل شہِ عالم
خدا نے تم کو بخشی ہے کلیدِ مشکل آسانی

# عبدالرحیم احسن

پیدائش ۱۸۵۴ء؟ وفات ۱۹۳۶ء

سوزشِ عشقِ احمد سے گر آگ لگی لگ جانے دو
دوستو ابرِ دیدۂ تر سے اشک کا مینھ برسانے دو

دل تو ہوا تھا آتشِ عشقِ سرورِ دیں سے جل کے کباب
آگ لگی اب جان کو یارو جلتی ہے تو جل جانے دو

ہجرِ نبی کے درد سے اب گریاں ہوں میں تم کیا پوچھتے ہو
حال سناؤں اپنا مجھ کو آنسو ذرا تھم جانے دو

درد کی لذت کیا کوئی جانے. کامل ہو تو وہی پہچانے
کھانے کا محتاج نہیں ہوں صرف مجھے غم کھانے دو

ان کی یہ آنکھیں ایسی ہیں مخمور شرابِ وحدت سے
بر لب کوثر رکھے ہوئے گویا کہ ہیں یہ پیمانے دو

کیا سیاہیٔ شبِ ہجراں سی وحشت اس میں ہے؟
واعظو! کیوں ظلمتِ مرقد سے گھبرائیں گے ہم ؟
یہ مدینہ کا ہے خواہاں اس کو لے جائیں کہاں؟
سوچ ہے جنت میں کیسے دل کو بہلائیں گے ہم
ہم کو دیدارِ خدا حاصل ہو، تم کو دیدِ حور
دیکھنا زاہد! تمھیں کس طرح ترسائیں گے ہم

خاکِ پائے مصطفےٰ اگر ہاتھ آجائے مرے
طاق پر رکھ دوں میں سیم و زر کو اور اکسیر کو
مصحفِ عارض کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
قاریو پڑھتا ہوں میں والشمس کی تفسیر کو
زلف کا دیوانہ ہوں، دیکھو ہوئی بیعت نصیب
ہتکڑی سے ہاتھ کو اور پاؤں سے زنجیر کو
دل ہوا ہے آپ کی مژگان و ابرو کا شکار
یا نبیؐ فتراک میں رکھ لیجیے اس نخچیر کو

# سید عبدالستار عبد

### وفات سنہ ۱۹۳۶ء

## منفرد اشعار

ہاتھ سے جاتا رہا دل کون ہو اب چارہ ساز؟ ہم رہیں افسردہ خاطر دلربا کہلائیں آپ؟

رنج و راحت میں جو ہو ساتھ مثالِ سایہ ایسے محبوب پہ پھر ناز کروں یا نہ کروں؟

بہت نازاں نہ ہو بلبل اگر ہے فصلِ گل اس دم کہ دے گا یہ چمن رنج و الم وقفِ خزاں ہو کر

دیتی فریب ہر دم ہے یہ عروسِ دنیا دوری ہے اس سے لازم اے صاحبِ بصیرت

خاکی یہ جسم ہے پھر مٹی میں جا ملے گا جوہر جو کچھ ہے اس میں کر اس کی تو حفاظت

بے خودی میں جب میں پہنچا کوچۂ جاناں تلک اُس نے جھنجلا کر کہا، تو مست ہے مخمور ہے

نہ ہجرِ یار کا صدمہ، نہ رنجِ بے وطنی گنوائی عقل و تمیز اپنی اس جہاں کے لئے

# جان محمد حازم

وفات ۱۹۴۱ء

## نعت

سب نبیوں سے شانِ معظم اور مفخر تم ہی تو ہو
کوئی کہاں تم سا ہے پیمبر، خلق کے رہبر تم ہی تو ہو

رہتے ہم گمراہ، نہ ہوتا فیض تمھارا اگر حاصل
سب سے فزوں درجہ ہے تمھارا خلق کے سرور تم ہی تو ہو

فہم رسا ہے پست، کروں کیا وصف تمھارا اے آقا
حازم کو کچھ خدمت دے دو شاہوں کے افسر تم ہی تو ہو

# محمد محسن

وفات سنہ ۱۹۴۵ء

## غزلیات

پئے جلوہ وہ قاتل آ رہا ہے — وفا کا خون مچلا جا رہا ہے

یہ کس کے مارِ گیسو کا تصور؟ — مرے سینے پہ کچھ بل کھا رہا ہے

فلک پر جلوہ ریزی ہے کسی کی — شفق کا رنگ اب دھندلا رہا ہے

کوئی پاؤں کی آہٹ آ رہی ہے؟ — کہ میرا وہم دھوکا کھا رہا ہے؟

نظر آتا ہے بدلا نظمِ فطرت — وہ بزمِ غیر میں اب جا رہا ہے

نہ لے انگڑائیاں اے پیکرِ ناز — سحر کا دل دہلتا جا رہا ہے

کسی کی یاد کیا آئی ہے محسن

"جگر دل پر دھواں سا چھا رہا ہے"

میں کیا جانوں قبلہ و کعبہ کدھر ہے — میں کرتا ہوں سجدہ جدھر ان کا در ہے

نظامِ جہاں آج زیر و زبر ہے — "کسی کا تہ تیغ سجدہ میں سر ہے"

حریمِ بتاں یاں ہے کعبہ وہاں ہے — دل اپنا کہاں ہے؟ کچھ اِدھر کچھ اُدھر ہے

دمِ قتل چوما تھا دامن کسی کا — خطاؤں سے ترکیب ذات بشر ہے

جبیں کو رگڑتے ہیں یاں شوق وارماں — بتاؤ بھی تم کس کا یہ سنگِ در ہے

ہے محسن تمہیں کچھ خیالِ سفر بھی؟

شبِ عمر آخر ہے وقتِ سفر ہے

پردۂ دل میں میسر ہے اسی کو جلوہ — رحمتِ خاص جسے نورِ بصر دیتی ہے

ہستیِ ہیچ کی دیکھے بھی کوئی بوالعجبی — بے نیازوں ہی کو وہ شمس و قمر دیتی ہے

دین و دنیا کے لطائف کی حقیقت کیا ہے؟ — لطف وہ لطف ہے جو پہلی نظر دیتی ہے

وحشتِ دل کے لئے مل ہی رہے گا صحرا

وسعتِ حوصلہ یہ ہم کو خبر دیتی ہے

پھول برسائے ہیں فطرت نے گلستاں کیلئے — ہو جنوں اب نہ پریشاں کسی ساماں کیلئے

سوزِ غم، آتشِ ہجراں اور الم کی یہ لویں — کچھ مرقد میں کمی کیا ہے چراغاں کیلئے؟

عالم تو ہے سلاسل پہ خموشی کیوں ہے؟

آج کیا اُٹھ گیا جو فخر تھا زنداں کیلئے؟

صبحِ فرقت، شامِ غربت اور شبِ تاریکِ ہجر — ہے یہی تفسیر بختِ عاشقِ ناکام کی

شیشۂ دل کے تو ٹکڑے اپنے ہم چنتے پھریں — اور پڑی ہے تجھ کو ساقی شیشہ کی اور جام کی

دَور بھی تو دیکھ لیں صہبائے چشمِ یار کا

کھل ہی جائے گی حقیقت گردشِ ایام کی

## قصیدۂ حضرت امام حسینؑ بتقریبِ یومِ ولادت

پھر مہ نیمۂ شعباں ہے فلک پر تاباں — بخت پر اپنے ہے پھر یُمن و سعادت نازاں

کیا عجب سینۂ احجار سے لونک اٹھے شرار — جلوۂ طور کا پھر جائے پھر آنکھوں میں سماں

بحر بھی فرطِ مسرت سے ہے اپنے مَواج — جوش زن قلب میں عاشق کے ہوں جیسے ارماں

جاگ اٹھے سبزۂ خفتہ کے یکایک جو نصیب — مجھ کو ہوتا ہے صبا پر دمِ عیسیٰ کا گماں

راکبِ دوشِ نبی کی جو ہے مدحت منظور — ترکتازِ فلکی میں ہے مری طبع رواں

گلِ رعنائے چمن زارِ نبوت ہے حسینؑ — فخرِ گلزارِ ارم، غیرتِ باغِ رضواں

کوکبِ برجِ امامت میں ضیا پاشی ہے — عالمِ نور بنا دائرۂ کون و مکاں

بحرِ ذخّارِ سعادت کا دُرِ بیش بہا — باعثِ فخرِ زمیں اور مباہاتِ زماں

زہد و ایثار و سخاوت کا مکمل پیکر — راس جس کو لقبِ سیدِ شبانِ جناںؑ

آرزو ہے کہ غلامی کی سند مل جائے

حشر میں جب کہ طلیعہ ہو امامت کا رواں

# نور علی انور

## وفات ۱۹۵۰ء

طوطی یہ جو پنجرے میں مرے بول رہا ہے
قفلِ درِ توحید کو وہ کھول رہا ہے

گو بولتا کچھ بھی نہیں پر بول رہا ہے
سازِ دلِ ایّام کو یہ کھول رہا ہے

ق

انور سے ہوئیں وصل میں جو راز کی باتیں
افسوس نشہ میں وہ انھیں کھول رہا ہے

ہٹو اے حور و غلماں بھیڑ چھوڑو مجھ کو جانے دو
رسولِ ہاشمی کا طالبِ دیدار میں بھی ہوں

پیے جب آبِ کوثر ساقیٔ کوثر سے کہہ دوں گا
اِدھر بھی دیکھنا یا حیدرِ کرار میں بھی ہوں

فلک پر تم پہ شیدا ہیں ملائک یا رسول اللہ
زمیں پر چاہنے والوں میں اے سرکار میں بھی ہوں

## ایک شعر

حشر یا رب اس طرح ہو مجھ نحیف و زار کا
ہاتھ میں پکڑے ہوئے جاؤں میں دامن یار کا

# عبدالعزیز عاشق

پیدائش ۱۸۷۵ء | وفات ۱۹۵۵ء

## قصیدہ در مدح سید بخاری شاہ مقام کاتیپدر

میں فقیرِ بے نوا تم صاحبِ توقیر ہو
تم ملو تو میری بہبودی کی کچھ تدبیر ہو

آپ کے دشتِ محبت میں چلا جاؤں گا میں
چاہے میرا ہر قدم پر خار دامن گیر ہو

آستانِ پاک کی گر خاک ہو جائے نصیب
چشمِ عاشق کے لئے وہ سرمۂ اکسیر ہو

تم سے ہو جاتی ہیں حل اہلِ غرض کی مشکلیں
ہر مصیبت کے لئے تم ناخنِ تدبیر ہو

آپ کے در کی گدائی جس کو ہو جائے نصیب
گلشنِ فردوس اس کے واسطے جاگیر ہو

ہو مراد بس دل کی حاصل کیجئے حضرت دعا
آپ کی خدمت میں حاضر عاشقِ دلگیر ہو

# رفیع الدین خاں رفیعؔ

وفات ۱۹۵۸ء

چاہ میں بے شک ہوں اس رشکِ زلیخا کے اسیر
نے عزیزِ مصر ہوں، نے یوسفِ کنعاں ہوں

روز و شب رہتا ہے مجھ کو مصحفِ رخ کا خیال
لوگ اب کہنے لگے ہیں حافظِ قرآں ہوں

آدم و ابلیس تو نکلے بھلا فردوس سے
جو کبھی نکلا نہیں دنیا میں، وہ ارماں ہوں

جبکہ کثرت سے رکھا وحدت کے زینے پر قدم
اُٹھ گیا پردہ دوئی کا جز خدا کچھ بھی نہ تھا

یار کے خلوتکدے میں پیتے ہی عرفاں کا جام
لب پہ بس مہرِ خموشی کے سوا کچھ بھی نہ تھا

# مولا بخش شاہ مولاؔ

پیدائش ۱۸۷۱ء ۹ — وفات ۱۹۵۸ء

رکھتا ہوں جبکہ بحرِ محبت میں ذوق و شوق — پھرتا ہوں میں حباب میں دریا لئے ہوئے

بیٹھا ہوں کوئے یار میں مدت سے دوستو — آنکھوں میں اک ہجوم تمنا لئے ہوئے

چھٹنا محال ہے مجھے گیسوئے یار سے — یہ سر مرا ازل سے ہے سودا لئے ہوئے

مجبور اُن کی وعدہ خلافی نے کر دیا — کیا خاک جاؤں عرضِ تمنا لئے ہوئے

کب دیکھئے کہ گھر میں وہ آتا ہے سنگدل
ہم منتظر ہیں شمعِ تمنا لئے ہوئے

ازل ہی سے فدائے یار ہوں میں — قتیلِ ابروئے خمدار ہوں میں

فراقِ یار میں مجنوں سا ہر دم — بہت رسوا سرِ بازار ہوں میں

کسی سے کیا غرض ہو مجھ کو مولاؔ
کہ محوِ جلوۂ رخسار ہوں میں

ہم سر بکف ہیں بیٹھے خود سر تری گلی میں
مقتل کا دیکھتے ہیں منظر تری گلی میں

ہم جس کو دیکھتے ہیں مستی میں جھومتا ہے
ساقی لٹا رہا ہے کوثر تری گلی میں

ہر حال میں تجھی کو سجدہ ہمیں روا ہے
جھکتا ہے آسماں کا جب سر تری گلی میں

سودا یہی رہا گر زلفِ دوتا کا تیری
دے دے گا جان مولا دلبر تری گلی میں

پوچھتے کیا ہو قلبِ مضطر سے
تنگ ہیں چرخِ کینہ پرور سے

عمر گذری ہے ٹھوکریں کھاتے
اب کہاں جائیں ہم ترے در سے

ہجر میں تیرے اشک کے بدلے
خون ٹپکا ہے دیدۂ تر سے

پھر جنوں کا ہوا ہے جوش مجھے
پھر کفن باندھ دو مرے سر سے

ایک دو گھونٹ کے لئے افسوس
ساقیا ہم تو عمر بھر ترسے

رہا نہ کوئی ہمیشہ باقی خدا ہی ہے اور خدا رہے گا
فنا جو عشقِ خدا میں ہوگا وہی بہ شکلِ بقا رہے گا

طلب ہے اس کی اگر تو خود کو مٹا دے راہِ وفا میں اے دل
نہ یار سے تو جدا رہے گا نہ یار تجھ سے جدا رہے گا

یہ مال و دولت یہ جاہ و حشمت کوئی بھی ساتھی نہیں ہے غافل
جہاں سے جب ہوگا کوچ تیرا یہیں یہ سب کچھ پڑا رہے گا

# رحمت علی رحمت

وفات ۱۹۶۳ء

پیدائش ۱۸۹۱ء

کام کی باتیں جو تھیں جب درجِ قرآں ہو گئیں
فلسفہ کی ساری چیخیں طاقِ نسیاں ہو گئیں

یوں ہی اقرارِ لسانی سے بھلا ہوتا ہے کیا
میری بد اعمالیاں جب ننگِ ایماں ہو گئیں

عشق تھا پہلے دوا دل کی مگر کچھ دن ہوئے
لذتیں دردو الم کی دل کا درماں ہو گئیں

دیکھنا کیسی وفاداری کا یہ اظہار ہے
میرے دل کی حسرتیں خود دل پہ قرباں ہو گئیں

رحمتؔ شوریدہ سر گر قائلِ تقدیر ہے
پھر یہ شکوہ کیوں کہ تدبیریں پریشاں ہو گئیں

رازِ سوز دروں نہیں کھلتا — آہ کی گرچہ ترجمانی ہے

کھول کر جی کروں میں آہ و بکا — "آج کچھ دل میں شادمانی ہے"

عقل گر اس کی پاسبانی کرے — عشق اک دولتِ نہانی ہے

سیکھنے کی ہزاروں باتیں ہیں — گرچہ یہ دہرِ دارِ فانی ہے

قتل کے بعد چوم لی تلوار — بس یہی ان کی مہربانی ہے

کبھی پھڑکوں قفس میں اور کبھی خنجر تلے تڑپوں — "کسی صورت سے ان پر عشق کا اظہار ہو جائے"

## طنز و ظرافت

جو واعظوں کی نصیحتوں سے دل اپنا اکتا گیا ہے یارو

چلو جی جائیں ذرا اُدھر بھی کہ واں پہ قوال گا رہا ہے

نہ کیوں کریں عورتیں کچہری، نہ کیوں بنیں مرد گھر میں آیا

"بدل گئی ہے روش پرانی نیا زمانہ اب آ رہا ہے"

امام رازی سے میں نے پوچھا حقیقتِ علم کیا ہے حضرت

تو بولے یہ تو حجاب بن کر خدا کو مجھ سے چھپا رہا ہے

حاصل یہی کیا جو مل گیا تم کو خطابِ سر — سر وہ ہے جو خوشی سے سرِ دار ہو گیا

فخرِ رازی کوئی بن جائے تو بن جانے دو — نطق کے زور سے ایماں تو نہیں آنے کا

# حصّہ دوم

میں سعیٔ مسلسل کر کے بھی منزل سے کوسوں دور رہا
منزل نہ ملی تو کیا ہے مگر اپنے کو پاتا جاتا ہوں
(امجد نجمی)

پیمانِ وفا باندھ رہے تھے جو یقیں سے
ان کو بھی پرستارِ گماں دیکھ رہا ہوں

(حفظ الباری حافظ)

رنگ تصویرِ غمِ عشق میں بھرنے نہ دیا
اس کا رونا ہے لہو دیدۂ تر نے نہ دیا

(سعید اختر)

# امجد نجمی

پیدائش ۱۸۹۹ء

## کرمکِ شب تاب

کس قدر ہے پُر ضیا اے کرمکِ شب تاب تو!
رات کے دریا کا ہے اک گوہرِ نایاب تو

تو کسی آتش نفس کا شعلۂ جوالہ ہے
یا کسی تفتہ جگر کا تو شرارِ نالہ ہے

حسنِ عالم سوز کی یا کوئی چنگاری ہے تو؟
سچ بتا ننھی سی جاں، نوری ہے یا ناری ہے تو؟

دور جا کر گاہ چمکا، گاہ تو آیا قریب
رات کیا آئی بنا تو بھی ستاروں کا رقیب

اڑ کے آیا ہے یکایک میرے کاشانے میں کیوں؟
اپنی یہ جلوہ فروزی میرے غم خانے میں کیوں؟

امجد نجمی

شمع پر یوں آ کے بیتابانہ تو جو گر پڑا
روشنی کا مثلِ پروانہ کہیں شیدا ہے کیا؟

نور کے پارے تجھے پھر جستجو کیوں نور کی؟
ہاں میں اب سمجھا کہیں سوجھی ہے تجھ کو دور کی

تو سراپا نور ہو، گر دید سے محروم ہے
تیرا اندازِ نظر بھی کس قدر معصوم ہے

میں بھی اس ظلمت کدے میں گوہرِ نایاب ہوں
اور چمک میں رونقِ خورشیدِ عالم تاب ہوں

مجھ کو مِن نُّورِ نبی کی قدرت نے عطا کی ہے چمک
اور پوشیدہ ہے مجھ میں نَحۡنُ اَقۡرَبُ کی جھلک

آتشِ حُسنِ ازل کا شعلۂ جوّالہ ہوں
اور عشقِ لم یزل کا اِک شرارِ نالہ ہوں

پھر بھی حسنِ عارضی پر کس قدر مرتا ہوں میں
ہو کے بیگانہ خودی سے غیر کا شیدا ہوں میں

یہ جمالِ عارضی میرے لئے اک قہر ہے
چشمۂ آبِ بقا سمجھا ہوں جس کو زہر ہے

اتنے جلوے رکھ کے بھی میں دید سے محروم ہوں
نیست میں میں بود ہوں اور ہست میں معدوم ہوں

"بہرِ خواری بسکہ سرگرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ہر دور باشم کردہ اند" (غالبؔ)

## روشنی تیز کرو

نور سے گوشۂ آفاق کو لبریز کرو
روشنی تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

ظلمتوں سے ابھی معمور ہیں یہ ارض و سما
ٹمٹماتا ہے تمناؤں کا ننھا سا دیا
ابھی پیمانۂ ہستی میں ہے غم کی صہبا

تلخیٔ وقت کو آؤ شکر آمیز کرو
روشنی تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

ابھی ہر سو ہیں ہلاکت کے نمایاں آثار
آسمانوں سے بلاؤں کی وہی ہے بوچھار
ابھی دنیا نظر آتی ہے جہنم بہ کنار

اب فضائے شر انگیز کو گلریز کرو
روشنی تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

کارواں عزم کا ہونے کو ہوا گرمِ سفر
ہے مگر دوریٔ منزل کا وہی خوف و خطر
نہیں آتی ہے دھندلکے میں کوئی چیز نظر

تیرہ و تار فضا ہے اسے ضو بیز کرو
روشنی تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

خطرۂ موج وہی اور وہی بیمِ طوفاں
دل کے دل ہی میں ہیں سارے مچلتے ارماں
ٹھوکریں کھاتی ہے ظلمت میں حیات انساں

بزمِ افسردہ کو آؤ طرب انگیز کرو
روشنی تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

## پیاسا

ابھی باقی ہے وہی رنجِ فراق
وہی وحشت، وہی آشفتہ سری
وہی افکارِ پریشاں، وہی یاس و حرماں
وہی دھوکا، وہی خوابوں کا فریب!
آہ محرومِ اثر

درد محروم علاج

ابھی باقی ہے شبِ تارِ حیات
ابھی باقی ہے وہی رنج فراق

○

باغ میں پھول کھلے تھے کتنے!
موتیا، جوہی، چمیلی، بیلا
کیتکی، مالتی، چمپا، گیندا
مختلف رنگ کے پھول
جیسے جلووں کا نزول
قرمزی، سرخ، گلابی، نیلے
سرمئی، چمپئی، اودے، پیلے
میں نگاہوں کا تھکا
ایک بھی چن نہ سکا
لوٹ آیا تہی دست و تہی داماں ہو کر
جیسے لوٹے کوئی محفل سے پشیماں ہو کر
باغ میں پھول کھلے تھے کتنے

○

جا کے دریا پہ بھی پیاسا آیا
سوزشِ تشنہ لبی
بڑھتی جاتی تھی مری
مجھے پانی نہ مِلا
موجِ سیلاب بنی میرے لئے موجِ سراب
چشمۂ زہر میں تبدیل ہوا چشمۂ آب
کس قدر چھائی گھٹا! کتنا بادل نہ گھرا!
تھا یہ بادل نہ مگر برسنہار
تلخئ کام و دہن اور ہوئی سینہ فگار
مجھے پانی نہ ملا
جا کے دریا پہ بھی پیاسا آیا

## غزلیات

گو فریبِ حسنِ دلکش بارہا کھاتا ہوں میں
شیوۂ دیوانگی سے باز کب آتا ہوں میں

ہے وہی کیفیتِ بے تابئ موجِ نظر
حسن کے جلووں کو بحرِ بے کراں پاتا ہوں میں

اے نظامِ دار و مقتل گوش بر آواز ہو
اب زباں پر اپنی حرفِ مدعا لاتا ہوں میں

ہو گیا ہوں اس قدر آزادِ قیدِ رنگ و بو
دشت و صحرا میں بھی حسنِ گلستاں پاتا ہوں میں

## امجد نجمی

آشفتہ نوائی سے اپنی، میں سب کو جگاتا جاتا ہوں
دیوانہ ہوں، دیوانوں کو اب ہوش میں لاتا جاتا ہوں

امید کی شمعوں کو دل میں رہ رہ کے جلاتا جاتا ہوں
جب جل چکتی ہیں یہ شمعیں، پھر سب کو بجھاتا جاتا ہوں

تکمیلِ محبت کرتا ہوں کچھ گرمی سے، کچھ نرمی سے
آہیں بھی بھرتا جاتا ہوں، آنسو بھی بہاتا جاتا ہوں

میں سعیٔ مسلسل کرکے بھی منزل سے کوسوں دور رہا
منزل نہ ملی تو کیا ہے مگر اپنے کو پاتا جاتا ہوں

امیدِ وفا کے پیشِ نظر میں ان کی جفائیں بھول گیا
ہے مستقبل پر آنکھ مری ماضی کو بھلاتا جاتا ہوں

قدرت بھی مہیا کرتی ہے اب میرے لئے عبرت کے سبق
"ہر گام پہ ٹھوکر کھاتا ہوں اور ہوش میں آتا جاتا ہوں"

نجمیؔ یہ خموشی بھی میری کچھ وجہِ سکونِ دل نہ ہوئی
میں ضبط فغاں سے درد کو اپنے اور بڑھاتا جاتا ہوں

وہ کامیاب زندگی ابھی کہاں ابھی کدھر؟ — وہ منزلِ خود آگہی ابھی کہاں ابھی کدھر؟
جو ظلمتوں کو چیر کر ہو منتشر اِدھر اُدھر — وہ لَو وہ ضَو وہ روشنی ابھی کہاں ابھی کدھر؟
دو چار پھول کھل گئے یہاں وہاں تو کیا ہوا؟ — وہ فصلِ گل کی تازگی ابھی کہاں ابھی کدھر؟

وہ گریۂ خزاں ہو یا وہ خندۂ بہار ہو — وہ زیست کی شگفتگی ابھی کہاں ابھی کدھر؟
وہ کائناتِ رنگ و بو، وہ جلوہ ہائے چار سو — وہ رَس، وہ حسن، وہ نمی ابھی کہاں ابھی کدھر؟
وہ گرمیٔ سفر کہاں، وہ قلب، وہ نظر کہاں — وہ کیفِ دردِ بےخودی ابھی کہاں ابھی کدھر؟

جو زندگی سنوار دے، جو زیست کو ابھار دے
وہ چشمِ لطف آپ کی ابھی کہاں ابھی کدھر؟

سوکھ گئی جیون کی ندی سوکھ گیا یہ دھارا — پیاس سے بیاکل ہو کر میں پھرتا ہوں مارا مارا
آشاؤں کا دیپ بجھا ہے چمک چمک کر ایسے — ڈوبے جیسے ابھر ابھر کر آسمان پر تارا
تم آؤ تو تم کو بتاؤں اس کے معنی مطلب — رات کو میں نے دیکھا ہے اک سپنا پیارا پیارا
اُجّل اُجّل سے یہ دئیے یہ سجل سجل سے دیپ — روشنی اتنی ہوتے پر بھی چھایا ہے اندھیارا
سکھ کے بدلے تم نے دیا دکھ عیش کے بدلے غم — پریت اگر ہے نام اسی کا، تم جیتے میں ہارا

نجمیؔ دیکھیں کدھر لگے گی جا کر اپنی نیّا
کہاں بہا کر لے جاتا ہے جیون کا یہ دھارا

## منفرد اشعار

جب گریباں میں ہمارے تار تک باقی نہیں — پھر اگر صبحِ بہاراں کا پیام آیا تو کیا؟
پروانے سے کیا سیکھئے آدابِ محبت — جو جل مرے اک شمع کی جلوہ فگنی سے
زاہد تو اسے غور سے کیا دیکھ رہا ہے — یہ دامن تر ہے یہ مرا دامن تر ہے
تم جلوہ دکھاؤ تو ذرا پردۂ در سے — ہم تھک گئے نظارۂ خورشید و قمر سے

کچھ اپنے آپ کو ایسا مٹا رہا ہوں میں
کہ جس کو پانا تھا اب اس کو پا رہا ہوں میں

دیا نہ ساتھ کسی نے رہِ محبت میں
دیا تو صرف مری بے کسی نے ساتھ دیا

جفاؤں سے ٹکرا رہی ہیں وفائیں
مآل اس کا میں دیکھنا چاہتا ہوں

پہنچا دیا ہے مجھ کو مرے عشق نے وہاں
جس جلوہ گاہِ ناز میں سجدہ روا نہیں

شبِ فرقت کے لامحدود لمحو!
سحر بھی ہوتے ہوتے ہو گئی ہے

ترانۂ غمِ پنہاں ہے ہر خوشی اپنی
کہ ایک دردِ مسلسل ہے زندگی اپنی

نمودِ صبح کی ساعت کا منتظر کیوں ہے؟
شبِ فراق کو تو دے دعائے عمرِ دراز

اے بحرِ حسن! اور بھی موتی بکھیر دے
دامن مری نگاہ کا اب تک بھرا نہیں

کب بھلا چھوٹا ہے ہم سے کارواں والوں کا ساتھ
ہم بھٹک کر بھی غبارِ کارواں تک آ گئے

ہم دیکھ چکے، ہاں دیکھ چکے دستور تمہاری محفل کا
جب شکر پہ یہ پابندی ہے، پھر کھل کر شکوہ کون کرے؟

جھکتا ہی نہ تھا پر ایسا جھکا نام اٹھنے کا لیتا ہی نہیں
معلوم نہیں اس سر نے کیا اس سنگِ در میں دیکھ لیا

ہم پینے ہی کو بیٹھے تھے اور منھ تک ہاتھ گیا ہی تھا
پھر دیکھ کے تیری مست نگاہیں ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا

تقدیر کے ہم قائل ہی نہ تھے پر اتنا کہنا پڑتا ہے
تدبیر کا دامن ہاتھ میں اپنے آ کر اکثر چھوٹ گیا

# عبدالرشید نقاد

پیدائش ۱۸۹۸ء

سجدہ گہِ نیاز میں خم سرِ خاکسار کر

سوزِ درونِ قلب کو اپنا یہاں شعار کر

حیف یہ پست ہمتی، بن کے رہا غبارِ راہ

ذرّے کو آفتاب سے بڑھ کے تو ہمکنار کر

پردۂ غیریت ہٹا، بن کے حقیقت آشنا

خالقِ بے نیاز سے ربط کو خوشگوار کر

چیخ پکار سے سوا گرم ہے سردیٔ عمل

تشنہ طپیدہ روح کو ذوق سے کامگار کر

طولِ امل نے کھو دیا عمرِ گراں بہا کا نور

ظلمتِ عقل سے نہ اب نفس کو اپنے خوار کر

○

# تمت النساء تمت

پیدائش ۱۸۹۳ء

زاہد تری بیکار ہے ہر بار کی توبہ　　منظور فقط ہو گی گنہ گار کی توبہ

تو شانِ کریمی سے خدا بخش دے اس کو　　آئی ہے سفارش کو خطاوار کی توبہ

نہ جانے بے کس پہ ہائے ظالم فلک، تو کب تک جفا کرے گا؟

یہ سارا عالم ہے تجھ سے نالاں، تو کب کسی سے وفا کرے گا؟

ہوں خوشی سے زیادہ غم میں خوش　　کیوں کہ وہ غم میں ساتھ رہتا ہے

ہائے یہ کیا تم ابھی سے کھو چکے ہوش و حواس　　اور بھی کتنی صعوبت عشق کی منزل میں ہے

چل بسے بیمارِ غم آخر کہ چلنا تھا انھیں　　بے وفائی کا مگر الزام تجھ پر رہ گیا

کسی کے ہجر میں ہم کو پڑا ہے اس قدر رونا　　کہ دل بھی اپنے پہلو سے جدا معلوم ہوتا ہے

اب بھی دنیا کی ہوس میں رات دن رہتی ہے تو

چھوڑ دے تمت ترا یہ کیا خیالِ خام ہے

# سید برکت اللہ برکت

## پیدائش ۱۹۰۵ء

## گاندھی جی!

اے مہِ چرخِ حمیت! اے پناہِ بےکساں!
اے رہِ تاریک میں مشعل نمائے کارواں

اے امامِ حریت! اے روحِ جسمِ انقلاب
اے صداقت کیش! اے مہر و وفا کے آفتاب

اے کہ تیری سعیِ پیہم سے وطن پر نور ہے
قصرِ شاہنشاہیت پر پرچمِ جمہور ہے

مادرِ گیتی کا تو وہ طفلِ با توقیر ہے!
ذرہ ذرہ جس کی مشتِ خاک کا اکسیر ہے

اِک جھلک دکھلا کہ کچھ تھم جائے جوشِ اشتیاق
ضبط پر غالب ہے افزونیِ اندوہِ فراق

کون کہتا ہے کہ اب دنیا میں گاندھی جی نہیں
کارنامے جس کے زندہ ہیں وہ مرتا ہی نہیں

## دل

کہوں میں جا کے یہاں کس سے مدعا دل کا؟
ہے دو جہان پہ چھانے کا حوصلہ دل کا

قدم قدم پہ مصیبت روش روش پہ خلش
ہے ایک محزنِ اندوہ مرحلہ دل کا

ہوا یہ تجربہ مدت کی کاوشوں سے ہمیں
کہ دل ہے رہزنِ دل، دل ہے رہنما دل کا

فسانۂ دلِ شوریدہ کیا کہیں برکت
ہے رنج و درد سے لبریز ماجرا دل کا

## اِنسان

ذرہ میں مہر، قطرہ میں دریا لیے ہوئے
آیا ہوں بزمِ ہست میں کیا کیا لیے ہوئے

معشوقِ دلنواز بھی، عاشق مزاج بھی

غمزہ لئے ہوئے دلِ شیدا لئے ہوئے
کوری بولہب بھی، ضیائے کلیم بھی
تَبَّتْ یَدَا لئے یدِ بیضا لئے ہوئے
اک مشتِ خاک جامعِ اضدادِ کائنات
رنگیں تماشہ طرفہ کرشمہ لئے ہوئے

ہر لحظہ اضطرابِ اضداد در سرم
در حیرتم کہ رخت بمنزل چساں برم!

# غزلیات

اک اجالا سا نظر آتا ہے پیمانے میں
آج کیا بات ہے ساقی ترے میخانے میں؟

عقل و ادراک و تدبر کی قسم اے ساقی
اک انوکھی سی ادا ہے ترے دیوانے میں

شمع جل جل کے یہ پروانے کو دیتی ہے پیام
تازگی روح کی ہے جسم کے مٹ جانے میں

اہلِ دل آج کی دنیا میں ہوئے ہیں عنقا
اب تو کچھ دل کو سکوں ملتا ہے ویرانے میں

اک قطرہ کا محتاج ہے خم خانہ کسی کا
موّاج ہے لبریز ہے پیمانہ کسی کا

گمراہ بھلا کیوں نہ ہوں حورو ں کے فدائی
دامن کشِ تقویٰ ہے پریخانہ کسی کا

میخانۂ جمہور کے ساقی یہ بتانا

کیوں چھین لیا جاتا ہے پیمانہ کسی کا

کس منہ سے عافیت کی تمنا کرے کوئی　　شیدائے غم ہو دل ہی اگر کیا کرے کوئی

اِک جنبشِ نگاہ نے مستانہ کر دیا　　کیوں اہتمامِ ساغر و مینا کرے کوئی

رہبر ہے دردِ عشق ہی وادیٔ عشق کا

کیوں جستجوئے نقشِ کفِ پا کرے کوئی

ڈھلتی ہیں کس طرح ترے دل کی سیاہیاں　　اے منفعل، تو اشکِ ندامت بہا کے دیکھ

اے دل، نصیب ہوتی ہے کیا شانِ بیدری

ہو کر فنا کسی پہ کرشمے بقا کے دیکھ

بزمِ نشاط سرد ہے آ جلد ساقیا　　میخانے کی فضا نہیں بھاتی ترے بغیر

تو ہی بتا دے، لذّتِ سوزِ نہانِ عشق

کیوں نیند رات بھر نہیں آتی ترے بغیر

## منفرد اشعار

لاکھوں الجھ کے رہ گئے گیسوئے یار میں

اک ہم ہی ہیں فقط کہ الجھ کر سنور گئے

تبسم ریز ہے یک غزنوی شکلِ ایازی میں

حقیقت دیکھ لے پنہاں ہے پوشاکِ مجازی میں

# عبد الحلیم حلیم

## پیدائش ۱۹۰۷ء

### ہلالِ عید

اَے ہلالِ عید! اے پیغامِ فرح و انبساط
اے مجسم حسن! اے دیباچۂ عیش و نشاط

تجھ میں ہے پیشانی مومن کی شانِ انعکاس
کچھ شعاعیں آس کی کچھ ہیں عیاں آثارِ یاس

سیکڑوں دیکھے ہیں تو نے عیدِ مسلم کے سماں
تھا کبھی زیرِ نگیں مسلم کے، یہ سارا جہاں

قیصر و کسریٰ لرزتے تھے ہمارے نام سے
خیرہ ہو جاتی تھیں آنکھیں تابشِ اسلام سے

جور و استبداد سے دنیا سراسر پاک تھی
چپہ چپہ پر زمیں کے بس ہماری دھاک تھی

کعبہ کیا؟ دیر و کلیسا کے بھی تھے ہم پاسباں
تھی ہماری اپنے بیگانے پہ شفقت ایک ساں

کون سی قسمت ہمارے فضل سے محروم تھی
سارے عالم میں ہماری بخششوں کی دھوم تھی

آج بھی بامِ اُفق سے دیکھ رنگِ انقلاب
ہر طرف سے چھا رہا ہے ہم پہ شامت کا سحاب

زندگی کیا ہے کہ اب اپنے لئے آزار ہے
یعنی خود ہی زندگی سے زندگی بیزار ہے

حق پرستی بھی گئی باطل پرستی بھی گئی　　گُل پرستی کی ہوس میں گُل پرستی بھی گئی

ہائے اب وہ گُل کہاں، وہ نغمۂ بلبل کہاں؟

جانے کس نے لوٹ لی ساری بہارِ گلستاں!

## غـزلیات

تو بھی تو شیخ دہر میں ہو جا حقیقت آشنا　　سارا جہاں پرو چکا شیرازۂ مجاز میں

کوئی جو با نقاب ہو، کر دیں گے بے نقاب ہم　　اتنا سا جرم ہے روا آئینِ سوز و ساز میں

اللہ رے یہ ولولے، یہ تازہ تازہ حوصلے　　میں بھی کوئی طلسم ہوں دنیائے امتیاز میں؟

ایک میں کہ میری ہر روش سے ہے زمانہ منحرف

اک وہ کہ ان کی ہر ادا ہے معرضِ نیاز میں

یہ کس کی موجِ شمیم کا کل فضا میں عنبر لٹا رہی ہے

کہ دل کے غنچوں کو خود نسیم اپنی مستیوں سے کھلا رہی ہے

حیات حرکت سے ہے عبارت، سکوں ہے موت کی نشانی

سنے تو کوئی کہ موجِ دریا ہمیشہ یہ گیت گا رہی ہے

حلیمؔ کیا کیجئے کہ فطرت کی کارفرمائیاں یہی ہیں

شباب پھولوں کا لُٹ رہا ہے، بہار کلیوں پہ آ رہی ہے

# عجیبہ خاتون عجبؔ

پیدائش۔ ۱۹۰۸ء

## گورنر آصف علی صاحب کی آمد پر

اے اُڑیسہ تیری گلیاں کیوں ہیں صد رشکِ بہار
غیرتِ جنت بنا ہے آج کیوں تیرا دیار

مست و بے خود آج کیوں ہیں نوجوانانِ وطن
کس کی آمد کا ترانہ گا رہے ہیں بار بار

شادمانی سے وطن کا ذرہ ذرہ بول اٹھا
آج ہے ہم پر نزولِ رحمتِ پروردگار

اے اُڑیسہ تیری خوش بختی پہ ہم کو ناز ہے
بن کے آئے ہیں گورنر آصفِ عالی وقار

ہے اُڑیسہ کے غریبوں کا مقدر اوج پر

آپ کی ہے ذات عالی جبکہ ان کی غم گسار

ابرِ رحمت سایہ افگن آپ پر ہو تا ابد

آپ کا لطف و کرم ہم پر رہے لیل و نہار

اس طرح اہلِ اُڑیسہ کو ملے امن و اماں

ہو ثمر آور ہمیشہ آرزو کی شاخسار

آ رہی ہے خلد سے ہر دم صدائے "زندہ باد"

اور عجبؔ "جے ہند" کی بھی سُرگ پوری سے پکار

## غزلیات

اِدھر غنچوں کے کانوں میں صبا کچھ اور کہتی ہے
اُدھر گلشن میں بادِ تند پا کچھ اور کہتی ہے

ادھر اہلِ چمن پر تو لٹنے کی مشق کرتے ہیں
اُدھر صیاد کی زلفِ دو تا کچھ اور کہتی ہے

اشارہ گرچہ ہے کچھ اور ہی ابروئے قاتل کا
مگر ہم سے وہ چشمِ سُرمہ سا کچھ اور کہتی ہے

ہوس کے جلترنگوں پر ترانے اور ہی کچھ ہیں
"مگر سازِ محبت کی صدا کچھ اور کہتی ہے"

عجبؔ اے طائرِ بد بخت تو مائل بہ پستی ہے
اُدھر تجھ سے فضائے ارتقا کچھ اور کہتی ہے

تیغ ادا و ناز نمایاں کئے ہوئے
آئے وہ میرے قتل کا ساماں کئے ہوئے

اے آتشِ فراق کنارِ لحد سے اُٹھ — "مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے"

وعدے کا دن عجب ہے قیامت کیے بیٹھے ہیں
ہم انتظارِ جلوۂ جاناں کیے ہوئے

یہ عیش و راحتِ دنیا عارضی کیا ہے — جسے دوام نہ حاصل ہو وہ خوشی کیا ہے
کہاں گیا وہ ترا شیوۂ براہیمی — ترے چلن میں یہ اندازِ آزری کیا ہے

نمود جس سے ہو مقصود وہ ریاضت کیا
خلوص جس سے نہ ٹپکے وہ بندگی کیا ہے

جذبہ دل کوئے جاناں تک پہنچ کر رہ گیا — جا کے آبِ خضر تک تشنہ سکندر رہ گیا
نکلے تھے عشاق قسمت آزمائی کے لئے — ان کے سنگِ در سے ٹکرا کر مقدر رہ گیا
ہجر کی کالی فضا میں وقت اپنا کٹ گیا — میری ناکامی پہ میرا عشق ششدر رہ گیا

اب خدا جانے کہ پھر ہم تم ملاقی ہوں نہ ہوں
مل سکے تم سے نہ ہم اِک داغ دل پر رہ گیا

ہم دل جو لگا بیٹھے قتالۂ عالم سے — برگشتہ ہوئے صبر و آرام و سکوں ہم سے
ساون کی جھڑی ہم کو یہ مژدہ سناتی ہے — برباد ہمیں کر کے روتا ہے فلک غم سے

ان بتوں کی دل لگی میں بھی ہے پوشیدہ ستم
ہنس رہے ہیں کاسۂ امیدِ سائل توڑ کر

# حکیم عبدالرحیم راقمؔ

## پیدائش ۱۹۱۲ء

کن منزلوں پہ گردشِ دوراں ہے آجکل
ہر شخص اپنے حال پہ نالاں ہے آجکل

افتادِ نو کا ہوتا ہے شام و سحر نزول
حرماں نصیب شامِ غریباں ہے آجکل

بھولا نہیں ہوں میں غمِ جاناں کی لذتیں
یہ اور بات ہے غمِ دوراں ہے آجکل

دل پر کچھ اس طرح سے گذرتی ہیں واردات
جو اشک ہے وہ حاصلِ طوفاں ہے آجکل

اب کوئی لطف جینے میں راقمؔ نہیں رہا
"بگڑا ہوا نظامِ گلستاں ہے آجکل"

---

یا یہ کہیئے ہم کسی کی بزم کے قابل نہیں
یا سمجھیئے آجکل کچھ رنگ پر محفل نہیں

مشکلاتِ عشق کا میں نے کیا ہے سامنا
اب کوئی مشکل نگاہوں میں مری مشکل نہیں

جس سے ٹکرا کر سفینے ٹوٹتے ہوں بار بار
درحقیقت میری نظروں میں تو وہ ساحل نہیں

---

عشق نے غم بن کے دل میں حشر برپا کردیا
موج کو طوفاں کیا، قطرے کو دریا کردیا

ہمیں تو غم کی ظلمت ہی بہت رنگین لگتی ہے
"جہاں وہ ہیں وہیں لے جا چاندنی اپنی"

# سید عبدالحلیم نقیبؔ

پیدائش ۱۹۱۲ء

سایۂ گنبدِ خضرا میں ہو تربت میری
یہی ارمان مرا ہے یہی حسرت میری

میں بلانوش ہوں بدمست ہوں واعظ لیکن
آپ جیسی نہیں بگڑی ہوئی نیت میری

او مرے اشکِ محبت کے جواہر پارو!
خوب اُمڈو کہ بڑھے اور بھی وحشت میری

میں ہوں وہ رندِ سیہ بخت کہ ہر پیرِ مغاں
بند کر لیتا ہے در دیکھ کے صورت میری

پرتوِ نورِ محمدؐ سے ہو یا رب روشن
شمعِ دُنیا کی نہ محتاج ہو تربت میری

# عنایت اللہ جراز

## پیدائش۔ ۱۹۱۲ء

بشر کیا ہے اور کیا ہوا چاہتا ہے ۔۔۔ یہ قطرہ بھی دریا ہوا چاہتا ہے

تغیر نما ہے مرے دل کا گلشن ۔۔۔ نہ جانے یہ کیا کیا ہوا چاہتا ہے

دفورِ تباہی، ہجومِ کشاکش ۔۔۔ پریشاں دل اپنا ہوا چاہتا ہے

حسینوں کی محفل میں پھر آ ہی پہنچا

جراز اب بتا کیا ہوا چاہتا ہے

## منفرد اشعار

عاشقِ دلگیر سن لیتا ہے دل سے ذکرِ یار ۔۔۔ ناصحا کر لے کہیں تو اور سمجھانے کی بات

نغمۂ دل میں صدائے غم نہاں پاتا ہوں میں ۔۔۔ جس سے اپنے دل کو ہر دم شادماں پاتا ہوں میں

پھر بہار آئی تو ہے لیکن بہ اندازِ دگر ۔۔۔ چپ لگی مرغِ چمن کو دب گئی کہنے کی بات

ستم شعار مآلِ وفا تو دیکھ ذرا ۔۔۔ ہوائے شوق مری سوگوار گذری ہے

# عبداللطیف عارؔف

پیدائش ۱۹۱۴ء

غم عیش کے پردے میں نہاں دیکھ رہا ہوں
محرومیٔ قسمت کو جواں دیکھ رہا ہوں

شاید دلِ مضطر میں کہیں آگ لگی ہے
"نزدیک گریباں کے دھواں دیکھ رہا ہوں"

ہوتا ہے جہاں ذکرِ غم و رنج و الم کا
اے قلب حزیں تجھ کو وہاں دیکھ رہا ہوں

بس یاد ہی تیری ہے شبِ غم کا سہارا
رہ رہ کے اُسے راحتِ جاں دیکھ رہا ہوں

عارؔف کے خیالاتِ مُزیّن کی نزاکت
ہر شعر کے پردے میں نہاں دیکھ رہا ہوں

رنگین کھلونے دے دے کر، گردوں نے تجھے بہلایا ہے
اب تجھ کو نصیحت عقبیٰ کی اے محو تماشہ کیا کرتے

گھنگور گھٹائیں چھائی ہیں اور زہد شکن منظر بھی ہے
پہلو میں ہے ساقی جام بکف اب حیلہ حوالہ کیا کرتے

کیا برق تجلی کو نہ چلی غش کھا کے گرے ہم قدموں پر
اِظہارِ تمنّا مشکل تھا تکمیلِ تمنّا کیا کرتے"

صرف میں ہی نہیں مشتاقِ طلوعِ امید — ایک عالم اسی مقصود کا خواہاں نکلا
جب سے سودائے محبت ہے سمایا دل میں — جان دینا بھی تو بازیچۂ طفلاں نکلا

نغمۂ عیش میں ہے گریۂ ماتم کا سماں
بزمِ احباب بھی اک کلبۂ احزاں نکلا

جنونِ عشق کی ہمدم! فراوانی نہیں جاتی — جگر سوزی، تڑپ اور چاک دامانی نہیں جاتی
خزاں آئی، گئی فصلِ گُل و لالہ بھی اے ہمدم — مگر دشتِ جنوں کی گُل بدامانی نہیں جاتی

## منفرد اشعار

بتا نسیمِ سحر! تجھ کو کیا پڑی تھی بتا!! — شبابِ خفتہ کو پھر سے جگا کے آنے کی
یہ چمن یوں حُسنِ فطرت کی تماشہ گاہ ہے — رنگِ عرفاں ہر گُلِ گل میں نہاں پاتا ہوں میں
سمندِ عمر کی یہ برق رفتاری معاذ اللہ — رہے گا پھر یہ اندازِ تغافل ہم سفر کب تک؟
نمایاں منظرِ فطرت جو آزادانہ ہوتا ہے — بقدرِ ظرفِ عارف جلوۂ جانانہ ہوتا ہے
تبسم پہ آخر فدا ہو گیا دل — طلسمِ تمنا سے مسحور ہو کر
ضیائے عشقِ کامل کے مقابل — خرد کی دھیمی دھیمی روشنی ہے

# حفظ الباری حافظ

پیدائش ۱۹۱۵ء

## راؤرکیلا[۱]

جذبات میں ڈوبے ہوئے لمحات کی دنیا
ہر آن ابھرتی ہوئی اسپات کی دنیا
بڑھتے ہوئے اعجاز و کرامات کی دنیا
میزانِ عمل اور مکافات کی دنیا

سندیش نیا ایک سناتی ہے وطن کو
پیغامِ بہاراں ہے خزاں دیدہ چمن کو

چھٹتی ہوئی راتوں کی سیاہی کا تماشہ
منزل پہ ہی لٹتے ہوئے راہی کا تماشہ

[۱] اڑیسہ کا مشہور اسٹیل پلانٹ۔

مجبور کی معصوم نگاہی کا تماشہ
ہر سمت نظر میں ہے تباہی کا تماشہ

جلوؤں کو ترستا ہے ابھی دیدۂ بینا
جویائے نظر ہے ابھی نظارۂ سینا

اے شوخ، سیہ بخت، سیہ فام حسینہ
یہ خون رگوں میں ہے تری یا کہ پسینہ
انگشتریٔ عظمتِ انساں کا نگینہ!
جینا ہے کوئی موت کی آغوش میں جینا؟

دن رات مشقت میں ہی ڈھلتی ہے جوانی
یاں آگ میں جل جل کے پگھلتی ہے جوانی

یہ آگ میں دن رات پگھلتا ہوا آہن
اپنی ہی تمناؤں میں جلتا ہوا آہن
جذباتِ فراواں سے اُبلتا ہوا آہن
آپ اپنے ہی حالات بدلتا ہوا آہن

اِکسیر ہے لیکن تری اِس خاک میں پنہاں
اک آگ ہے گویا دلِ بے باک میں پنہاں

# خطاب بہ چین !

فریب خوردۂ تہذیب ہے زمانہ ابھی
نظر سے اُس کی نہاں ہے سبیلِ امن و اماں
عدوئے پیکرِ انسانیت ہے خندہ بہ لب
کہ موج زن ہے ابھی اس کی آرزوئے جواں

بھٹک رہا ہے نئی روشنی کالے کے چراغ
سیاہ رات ہے تیری سحر سے دور ابھی
خرد ہزار کرے اہتمامِ دیدہ دری
مقامِ حسن ہے لیکن نظر سے دور ابھی

بنائے قصرِ تمدن ہے لرزہ بر اندام
مآلِ جبر و تشدد سے آشنا ہو کر
اُتر ہی جائے گا یہ نشۂ جہانگیری
یہ بزمِ مے تری رہ جائے گی فنا ہو کر

تمام عالمِ انسانیت ہو خاک بسر
یہی ہے خواب تو تعبیرِ خواب کیا ہو گی
بجھا سکے گی نہ حرص و ہوس کی تشنہ لبی
سرور جس میں نہ ہو وہ شراب کیا ہو گی

مگر تھی پردۂ تخریب میں نہاں تعمیر
کہ قوم ہوش میں آتی ہے خوابِ غفلت سے
نفس نفس میں ہے موجِ شرابِ بیداری
ابھر رہی ہے سحر پھر حجابِ ظلمت سے

سنبھل سنبھل کہ شہیدوں کے خون سے پیدا
ہزار زلزلۂ حشر بار ہوتا ہے
سنبھل سنبھل کہ یہاں کا ہر ایک فردِ وطن
ہزار جاں سے وطن پر نثار ہوتا ہے

## غزلیات

جتنا اچھا کیا برائی کی ۔۔۔ حد بھی ہوتی ہے بے وفائی کی
شیخ نے آج مے سے کی توبہ ۔۔۔ رہ گئی شرم پارسائی کی
بارہا ہم نے غم کے دریا میں ۔۔۔ کشتیٔ دل کی ناخدائی کی
یوں بُروں کو بُرا بھلا کہہ کے ۔۔۔ تم نے اچھوں کی کیا بھلائی کی؟
تم نے دامن کو اپنے پھیلا کر ۔۔۔ چھین لی آبرو گدائی کی
پی کے توبہ کی، توبہ کرکے پی ۔۔۔ ہر طرح ہمت آزمائی کی

ساری دنیا کو چھوڑ کر حافظ نے
ایک کافر سے آشنائی کی

بکھرے ہوئے کچھ سنگِ گراں دیکھ رہا ہوں
ہر گام پہ منزل کا نشاں دیکھ رہا ہوں

اعجازِ خموشیٔ زباں دیکھ رہا ہوں
ہاں ہاں اثرِ سوزِ نہاں دیکھ رہا ہوں

ہو انجمنِ یار کہ اغیار کی محفل
ملتی ہے جگہ مجھ کو کہاں دیکھ رہا ہوں

ہر نقشِ کفِ پائے سرِ راہ مٹا کر
بے چارگیٔ عمرِ رواں دیکھ رہا ہوں

آباد ہے میخانۂ عالم مرے دم سے
برباد مگر اپنا جہاں دیکھ رہا ہوں

پیمانِ وفا باندھ رہے تھے جو یقیں سے
ان کو بھی پرستارِ گماں دیکھ رہا ہوں

یہ وہ چند قطرے ہیں بے بہا جو چھپے تھے بحرِ الست میں
جو سجود بن کے ابھر رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

نہیں بے خودی سے جو آشنا کوئی بندگی ہے وہ بندگی؟
تو ابھی تو صاحبِ ہوش ہے تجھے کیا ملے گا نماز میں

یہ دعا ہے حافظِ خستہ کی کہ سکوں نصیب ہیں ہو اگر
دلِ مضطرب کو قرار دے خم و پیچ زلفِ دراز میں

وہ مے بھی گئی، ساغر بھی گیا، محفل بھی گئی، ساقی بھی گیا
کہنے کو فقط اک بات رہی، جو بات ہمیں منظور نہیں

اک وہ بھی زمانہ تھا اپنا ہر بات جب اپنی جیتی تھی
ہر بات پہ اب وہ کہتے ہیں، منظور نہیں منظور نہیں

وہی ہے بزم، وہی ہم، وہی ہیں جام و سبو
ترے حضور میں لیکن وہ بے خودی نہ رہی

عجیب چیز ہے پیمانۂ حجابِ نظر
چھلک گیا تو کوئی شے بری بھلی نہ رہی

نہ تابِ ضبطِ غمِ دل، نہ طاقتِ گفتار
کسی بھی کام کی اب اپنی خامشی نہ رہی

الفت کا پھر کسی سے نہ چرچا کریں گے ہم
تیرے لئے تو یہ بھی گوارا کریں گے ہم

سی لیتے ہیں زباں کو بہت خوب، لیجئے
غماز اگر نگاہ ہوئی کیا کریں گے ہم

جوشِ جنوں سے جوڑ کے رشتہ پھر ایک بار
دامانِ تار تار کو رسوا کریں گے ہم

اضطرابِ دل سلامت، اُن کو پیار آہی گیا
اشک آنکھوں میں مری بے اختیار آہی گیا

رفتہ رفتہ ہو گیا مجھ پر عیاں رازِ حیات
"آتے آتے آخرش دل کو قرار آہی گیا"

## ایک شعر

نہ آئے پر نہ آئے راس دو آنسو کے قطرے بھی
کہ یہ بھی خشک ہو جاتے ہیں آتے آتے دامن تک

# سید نورالہدیٰ قائمؔ

پیدائش ۔ ۱۹۱۶ء

آئے جو گاہ گاہ نظر مجھ کو خواب میں      سو رنج و غم بڑھ گئے اک اضطراب میں

اُف میرے اضطراب کا عالم نہ پوچھئے      سر رکھ دیا ہے بھول کے کس کی جناب میں

قائمؔ ہے جاں بلب ترے دیدار کے لئے

پوشیدہ کب تلک تو رہے گا نقاب میں

جذبۂ جوشِ جنوں ابھرا گلستاں دیکھ کر      میرے زخمِ دل کھلے پھر گل کو خنداں دیکھ کر

جذبۂ خوابیدہ اٹھا لے کے پھر انگڑائیاں      صحنِ گلشن میں کسی کا رخ نمایاں دیکھ کر

اضطرابِ دل بڑھا مانندِ موجِ تند و تیز      ہر قدم پر جلوۂ جاناں کو رقصاں دیکھ کر

انقلابِ روز و شب دیتا ہے پیغامِ فنا      ہو نہ غافل رفعتوں کے ساز و ساماں دیکھ کر

مژدۂ بادِ بہاری کیا ملا      تیرے دیوانے کو وحشت ہو گئی

اب تو صبحِ نو دکھا اپنی جھلک      انتہائے شامِ غربت ہو گئی

صبح سے آج گھٹا چھائی ہے میخانے پر      جاگ اٹھا ہے نصیبا کسی مستانے کا

راہِ وفا میں مشکلیں آتی ہیں دم بدم ۔۔۔۔ دیکھ اے جنوں نواز! زباں پر گلہ نہ ہو

کوتاہیٔ نظر تھی، دگرنہ محال ہے ۔۔۔۔ حُسن کرشمہ ساز ہو، جلوہ نما نہ ہو

○

اس تلاطم خیز دریا سے نہ گھبرا اے ندیم! ۔۔۔۔ "زندگی کا ہر تموج میں نشاں پاتا ہوں میں"

عیش و عشرت میں بھلا ملتا ہے کب اُس کا سراغ ۔۔۔۔ بے نشاں ہو کر یہاں جس کا نشاں پاتا ہوں میں

○

زخم ہائے دل کی سوزش سے ہے کچھ راحت نصیب

جو سبب تھا درد کا اَب وہ ہے درماں دیکھئے

گردشِ ایام لائی ہے کچھ ایسا انقلاب

کل جو خنداں ہم پہ تھے آج اُن کو گریاں دیکھئے

○

میکشانِ رہِ الفت کی خدا خیر کرے

نہ وہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ پیمانہ ہے

کیوں جلا کے لوٹ آئی درِ مستجاب سے

اس کا سبب بتا سہی آہ و فغاں مجھے

○

# تلوک ناتھ انجم

پیدائش۔ ۱۹۱۶ء

دل میں لے کر ہجومِ دردِ نہاں
یاد اُس بت کی آج آئی ہے

وعدۂ وصل بھول بیٹھے ہیں
کیا یہی رسم آشنائی ہے؟

ایک ہی جام سے ہوا مدہوش
چشمِ مے گوں نے مے پلائی ہے

انجمِ خستہ حال جائے کدھر؟
گر یہی اُن کی بے وفائی ہے

ابتدائے عشق ہے زلفِ پریشاں دیکھئے
عالمِ تنہائی میں پھر چشمِ گریاں دیکھئے

لذتِ سوزِ جگر انجمؔ سے جا کر پوچھئے
چوٹ کھانے پر بھی اُس کو آج خنداں دیکھئے

# شمس الہدیٰ شمس

## پیدائش ۱۹۱۸ء

موسمِ گل ہے دور ابھی اُس کا نہ انتظار کر
خونِ جگر کے رنگ کو زینتِ صد بہار کر

داورِ حشر تجھ سے ہے میری بس ایک التجا
اپنے کرم کو دیکھ کر میرے گنہ شمار کر

بادِ صبا نہ زخم دے قلبِ الم نصیب کو
آ کے نہ مجھ سے قید میں تذکرۂ بہار کر

دینی پڑی انھیں بھی شمسؔ میری تباہیوں کی داد
بازیٔ عشق آج میں جیت گیا ہوں ہار کر

محفلِ کون و مکاں میں ہم جدھر دیکھا کئے
حسنِ جاناں ہی کو تا حدِ نظر دیکھا کئے

طور پر جس کے نظارے کو گئے تم اے کلیم
ہم تو ہر ذرے میں اس کو جلوہ گر دیکھا کئے

لے گیا دل کو کوئی اور دم بخود تھے عقل و ہوش
کارواں لٹتا رہا اور راہبر دیکھا کئے

وقتِ آخر بھی نہ آیا وہ وفا نا آشنا
شمسؔ جس کا راستہ ہم عمر بھر دیکھا کئے

---

چشمِ ساقی کی ابھی کچھ مستی ہے شاید جام میں
جو بھی اِس محفل میں ہے وہ ہوش سے بیگانہ ہے

دل کی یہ وارفتگی ۔ اللہ رے یہ انقلاب
جو کبھی تھا رشکِ کعبہ آج وہ بتخانہ ہے

وہ رہرو ہوں کہ گھبراتا نہیں میں بعدِ منزل سے  
گذر جاتا ہوں ہنستا کھیلتا ہر راہِ مشکل سے

بہر صورت تمہارے حسن کی توہین ہوتی ہے  
گلِ تر سے تمہیں تشبیہہ دوں یا ماہِ کامل سے

کہاں سے آنسوؤں میں خون کی سرخی جھلکتی ہے  
اگر رشتہ نہیں ہے کوئی آنکھوں کا رگِ دل سے

یہ نقدِ جاں کے بدلے بھی اسے ارزاں سمجھتا ہے  
تم اپنے حسن کی قیمت تو پوچھو شمس کے دل سے

---

میری ہی نظروں سے تھیں کیوں ان کی نظریں ہمکنار  
میں ہی شاید بزم میں شائستہ پیغام تھا

ساری محفل ہو رہی تھی جامِ گلگوں پر نثار  
میری نظروں میں جمالِ ساقیِ گلفام تھا

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا نظامِ میکدہ  
دورِ ساغر بھی حریفِ گردشِ ایام تھا

---

یارب عطا ہو اب وہ غمِ جاوداں مجھے  
دے دے غمِ جہاں سے جو یکسر اماں مجھے

اب فکرِ جاں ہے اور نہ فکرِ جہان ہے  
بس یاد رہ گئی ہے تری داستاں مجھے

بہرِ نماز جاگ اٹھا شورِ دیر سے  
ناقوس کی صدا بھی ہے صوتِ اذاں مجھے

---

مدتوں ہم نے غمِ جاناں کے جھیلے ہیں ستم  
اے غمِ دوراں تجھے خاطر میں کیا لائیں گے ہم

یہ مقدس سنتِ عشاق مٹ سکتی نہیں  
قصۂ دار و رسن کو پھر سے دہرائیں گے ہم

ڈال جا کنجِ قفس میں اے صیاد چار پھول  
موسمِ گل ہے انھیں سے دل کو بہلائیں گے ہم

کتنا خوش آیند تھا اے دوست آغازِ سفر  
کیا خبر تھی آ کے منزل پر بھٹک جائیں گے ہم

آخری ہچکی یہ بیمارِ محبت کی نہ تھی  
داستانِ عشق کا یہ مختصر انجام تھا

# سیدہ مصلحت ایزدی مصلحت

پیدائش ۱۹۲۰ء

## ہر گام ترا دشوار سہی

کشتیٔ شکستہ، بحرِ الم، خطرات کے یہ آثار سہی
تقدیر میں تیری اے ہمدم ساحل نہ سہی منجدھار سہی
ماحول ترا پُر ہول سہی، کمزور ترا پتوار سہی
ہے بادِ مخالف پیشِ نظر، ہر گام ترا دشوار سہی

فطرت کا تقاضا ہے لیکن ہمت کو تو اپنی توڑ نہ دے
اے بحرِ تلاطم کے رہرو تو صبر کا دامن چھوڑ نہ دے

گھنگھور گھٹاؤں سے اکثر اللہ کی رحمت ملتی ہے
بادل کی کڑک میں پوشیدہ ہاں برق کی طاقت ملتی ہے
طوفانِ حوادث کے اندر راہوں کی وساطت ملتی ہے
ہر موجِ رواں کی ٹکر میں ساحل کی بشارت ملتی ہے

گھبرا نہ کبھی، آزردہ نہ ہو امواج کی زد سے بچ کے نکل
ہے عزم مصمم ساتھ ترے ہر منزل پر گر گر کے سنبھل

یاں آنکھ اٹھا کر دیکھ ذرا کیا درس تجھے دیتی ہے فضا
یعنی یہ ستاروں کی محفل، یہ وقتِ رواں، یہ ارض و سما
اب کان میں تیرے چپکے سے آ آ کے خبر کرتی ہے صبا
جو عہد کیا تھا روزِ ازل اُس عہد کو ہرگز بھول نہ جا

ہر سانس تری ہر وقت تجھے دیتی ہے یہاں پیغام نیا
تو غور سے اس کو سن لے اگر مل جائے تجھے منزل کا پتا

## غزلیات

زمانہ آنکھیں بدل رہا ہے تو مجھ کو اس کا گلہ نہیں ہے
یہ کھیل قدرت کو کھیلنا ہے تو شکوۂ غم بجا نہیں ہے
کسی کے ہاتھوں سے ہو گیا ہے مری تمنا کا خون شاید
شفق کی سرخی ہے اشک افشاں کہ ظلم کی انتہا نہیں ہے
چمن چمن پھول کھل رہے ہیں تہی ہے پھر بھی نظر کا دامن
روش روش دیکھ لی ہے ہم نے گلوں میں بوئے وفا نہیں ہے

شفا ہے دستِ قضا میں میری، مجھے طبیبوں کی کیا ضرورت

مریضِ غم کے لئے جہاں میں کچھ اس سے بہتر دوا نہیں ہے

مجھے تلاشِ رضا ہے تیری، تلاشِ دیر و حرم نہیں ہے

مری تمنا کی وسعتوں میں کچھ اور تیرے سوا نہیں ہے

حریم دل میں مقیم ہو کر وہ دے رہے ہیں فنا کی دعوت

ہے مصلحت بے خودی کچھ ایسی کہ مجھ کو اپنا پتا نہیں ہے

اذیت سے خوشی کچھ اور بھی سنگین ہوتی ہے

تڑپ اے دل، تڑپنے سے بڑی تسکین ہوتی ہے

کہیں ابرو کی جنبش پر زمانہ سر جھکاتا ہے

کہیں تو جور پر بھی ضبط کی تلقین ہوتی ہے

وہاں تو دشمنی بھی موجبِ تعظیم و عزت ہے

یہاں ایثار پر بھی عشق کی توہین ہوتی ہے

دل کو تیری نگہِ لطف پہ وارا میں نے

آفریں گنجِ محبت کے امین، سامنے آ

دور تھی میں تو تمنا تھی قریب آنے کی

اب تو نزدیک بھی آ کر ہوں حزیں، سامنے آ

# ضمیر خاں ضمیرؔ

پیدائش ۱۹۲۲ء

یہ فسانے ہیں اُن مراحل کے　　حوصلے لٹ گئے جہاں دل کے

رو پڑے ہیں میری خستہ حالی پر　　حسرت و یاس بھی گلے مل کے

نیم بسمل بنا کے چھوڑ دیا　　چوم لیں ہاتھ کیوں نہ قاتل کے

غم کے سائے میں سو رہے ہیں آج　　راہ بھٹکے ہوئے منازل کے

کیسے کہتے ضمیرؔ حالِ دل

بات بھی ہو نہیں سکی مل کے

جہاں اپنی زلفوں سے غم نے ہوا دی　　وہیں زندگانی مری مسکرا دی

رہِ عشق میں جب قدم ڈگمگائے　　کسی نے ہمیں دور سے پھر صدا دی

مرے نامکمل ارادے یہ بولے　　کبھی کام آئے گی یہ نامرادی

جنوں پھر کسی کے نہ روکے رُکے گا

کڑی عشق کی عشق نے گرما دی

کیوں کر نہ اُس کا عزم و ارادہ جواں رہے | رہ کر ہجومِ غم میں بھی جو شادماں رہے

درسِ جنوں دیا ہے کہ دریائے عشق میں | طوفاں کی شورشوں میں بھی کشتی رواں رہے

مت چھوڑ اپنے ہاتھ سے دامانِ صبر کو | گو بجلیوں کی زد میں ترا آشیاں رہے

دربارِ حسن عام تھا کچھ بات ہی نہ تھی | "ہم یوں ہی صرفِ کشمکشِ امتحاں رہے"

---

زلفوں کو اُن کی پیار کیا تو نے کیا کیا؟ | یوں خود کو نذرِ دار کیا تو نے کیا کیا؟

یہ تو نہیں تھی شرطِ وفا راہِ عشق میں | دامن کو تار تار کیا تو نے کیا کیا؟

سوئی ہوئی تھی میرے تخیل کی کائنات | اے دوست ہوشیار کیا تو نے کیا کیا؟

تقدیر میں لکھا ہی نہ تھا وصل یار کا | تا زیست انتظار کیا تو نے کیا کیا؟

---

شبِ فرقت بلا بھی ہوتی ہے | اور کبھی جانفزا بھی ہوتی ہے

جس سے تھم جائے دردِ قلبِ حزیں | ایسی کوئی دوا بھی ہوتی ہے؟

لاکھ ہو جائے یہ دراز تو کیا | "شب کی اِک انتہا بھی ہوتی ہے"

تیرے نغموں کے ساتھ ضمیرؔ

غمِ دل کی نوا بھی ہوتی ہے

اپنا لیا تھا غم کو بڑی کشمکش کے بعد | گر وہ بھی دل کو راس نہ آئے تو کیا کریں

گنجینۂ وفا ہے ہمارا دلِ حزیں | گر ان کو اعتبار نہ آئے تو کیا کریں

جس جا متاعِ زیست لٹا کر چلے تھے ہم | پھر جذبِ دل وہیں پہ ہیں لائے تو کیا کریں

دورِ جہاں کے درد سے خود ہی نڈھال ہیں | "تیرا خیال دل کو ستائے تو کیا کریں"

اُن کی زلفوں کے سائے تلے ہمنشیں — نیند آئی نہ تھی پھر سحر ہو گئی
کیوں نہ اہلِ جنوں کو میں آواز دوں — لیلیٰ شب کی اب زلف سر ہو گئی

اے ضمیر اُس نے پوچھا نہ احوالِ دل
زندگی روتے روتے بسر ہو گئی!

ہمارے جذبۂ دل کی صدا کچھ اور کہتی ہے — مگر اُن کی نگاہِ پارسا کچھ اور کہتی ہے
کسی کے پیار کی باتوں پہ جب ہم وہ بگڑتے ہیں — نظر کر عارضِ رخ کی ضیا کچھ اور کہتی ہے

جنونِ عشق کی تاثیر سے شبِ ظلمت — ہم اپنے خونِ تمنا سے جگمگاتے ہیں
کبھی جفا و ستم سے کبھی وفاؤں سے — انھوں نے جو مرے عاشق کے آزمائے ہیں

## منفرد اشعار

بادِ خزاں چمن کو جو لوٹے ہزار بار — پھر بھی قفس میں یاد رہے گی بہار کی
ان کے در سے لوٹ آئیں جا کے ساری حسرتیں — جذبۂ الفت میں اپنے کچھ کمی پاتا ہوں میں
تماشہ دیکھتے رہتے ہیں جو کناروں سے — وہ آنکھ اپنی چراتے ہیں تیز دھاروں سے
جو آنکھوں سے ٹپکے تو دامن میں چمکے — میں وہ گوہرِ بے بہا چاہتا ہوں
وہ قافلہ لٹے ہوئے مدت گزر گئی! — لیکن فضا میں اڑ رہا ہے اب تک غبار کچھ

آرزوئے دید تو دل میں تھی لیکن اے ضمیر
دیکھنے کا وقت جب آیا نظر دھندلا گئی

# غلام رسول تسنیم

پیدائش ۱۹۲۳ء

جب ہے جمالِ دوست سے دل میں جلوہ ریز
میں پھر بہار و باغ کی زینت کو کیا کروں ؟

دل رکھ دیا ہے شمعِ ہدایت کے پاؤں پر
اے شمعِ انجمن تری دعوت کو کیا کروں ؟

جب چھا رہا ہو منبعِ انوار قلب پر
پھر نورِ مستعار کی صورت کو کیا کروں؟

کافی ہے دردِ شافعِ محشر مرے لئے
میں زاہدوں کی خشک ریاضت کو کیا کروں؟

ہے نقشِ پائے احمدِ مرسل کی جستجو
میں واعظوں کی پند و نصیحت کو کیا کروں؟

میں مقتضائے دل پہ تو سب کچھ لٹا چکا
عقل و خرد کی خشک نصیحت کو کیا کروں؟

قفس سے تنگ تر جن پر ہے اپنا آشیاں، ہم ہیں
وہ جن کے واسطے زنداں ہے صحن گلستاں ہم ہیں
ہمارا باغباں نامہرباں کیوں ہو گیا ہم پر؟
بس اتنا ہے قصور اپنا گلوں کے راز داں ہم ہیں
زباں لائیں کہاں سے ہم سوالِ شوق کو اے دل!
"ستم پر بھی زباں کھلتی نہیں وہ بیزباں ہم ہیں"
بہالے جائیں اپنی رو میں جو بیسوں کناروں کو
وہ موجِ بے کراں ہم ہیں وہ سیلابِ رواں ہم ہیں
رگِ ایام میں ہم سے ہے خونِ تازگی ساری
حقیقت میں بہارِ زیست کی روحِ رواں ہم ہیں

○

# سعید اختر

پیدائش ۔ سنہ ۱۹۲۴ء

## مژدۂ امن

ہم امن و اماں کے متوالے اب ایسے ترانے گائیں گے
جو سینوں کو گرمائیں گے، جو روحوں کو برمائیں گے
ہم دنیا کے ہر گوشے تک آواز اپنی پہنچائیں گے
مانا کہ زباں کٹ جائے گی، مانا کہ یہ لب سل جائیں گے
جو کچھ بھی ہو دنیا والو مگر ہم امن کا مژدہ لائیں گے

ہر چند کہ راہِ منزل میں اندیشۂ صبح و شام بھی ہے
احساسِ مصائب بھی برحق اور فکرِ غم و آلام بھی ہے
ہر گام حیات آغاز سہی، ہر گام اجل انجام بھی ہے
ایسے میں بھلا یہ کس کو خبر کیا کھوئیں گے کیا پائیں گے
جو کچھ بھی ہو دنیا والو مگر ہم امن کا مژدہ لائیں گے

سکھ چین کی دنیا تج دیں گے، دکھ درد سے ناتہ جوڑیں گے

ہم خاک کے ذرے رولیں گے، ہم چرخ کے تارے توڑیں گے

خطرات سے ہم کیا منہ موڑیں، خطرات کا منہ ہم موڑیں گے

انگاروں سے بھی کھیلیں گے، طوفان سے بھی ٹکرائیں گے

جو کچھ بھی ہو دنیا والو مگر ہم امن کا مژدہ لائیں گے

اب دھرتی کے پیاروں پر دھرتی کو تنگ نہ ہونے دیں گے ہم

افلاس زدوں کے چہروں کو بے رنگ نہ ہونے دیں گے ہم

لو تم سے وعدہ کرتے ہیں اب جنگ نہ ہونے دیں گے ہم

اس راہ میں ہر اک طاقت سے لڑ جائیں گے مر جائیں گے

جو کچھ بھی ہو دنیا والو مگر ہم امن کا مژدہ لائیں گے

## شمع[1] کی رحلت پر

چھا گئی آخر گلستاں میں اداسی چھا گئی

جو کلی روحِ بہاراں تھی وہی مرجھا گئی

شمع آخر بجھ گئی، اک تیرگی سی چھا گئی

زندگی پر ہائے آخر موت غالب آ گئی

[1] اہلیہ سید محمد اسمٰعیل

کیا کہوں کتنے عجب ہیں رنگہائے گلستاں
اک کلی کھلنے نہ پائی تھی کہ وہ مرجھا گئی

مخملیں بستر پہ بھی راحت نہ ملتی تھی جسے
اس کو آغوشِ لحد میں کس طرح نیند آ گئی

کیسے دن کاٹے گا اب تیرا شریکِ زندگی
اس کو غم کھا جائیگا جب موت تجھ کو کھا گئی

رب تجھے بخشے بہت سی خوبیاں رکھتی تھی تو
سب کو روتا چھوڑ کر اے شمع تو کس جا گئی؟

○

## غزلیات

رنگ، تصویرِ غمِ عشق میں بھرنے نہ دیا
اس کا رونا ہے لہو دیدۂ تر نے نہ دیا

میں نے ہی خود کو کبھی خود سے گذرنے نہ دیا
ورنہ کیا اِذن مجھے تیری نظر نے نہ دیا

روشنی جتنی امیدِ شبِ تاریک میں تھی
ہائے اتنا بھی اُجالا تو سحر نے نہ دیا

خزاں کو بھی بہارِ بے خزاں کہنا ہی پڑتا ہے
جہانِ خار و خس کو گلستاں کہنا ہی پڑتا ہے

صداقت اک بڑی شے ہے مگر اب اس کو کیا کیجے
زمانہ ہے، زمیں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

نہ ہے رسم و رہِ الفت، نہ ہے پندارِ خودداری
کسی کے درد کو آرامِ جاں کہنا ہی پڑتا ہے

اب اس کو اقتضائے وقت سمجھو یا وفا کہہ لو
کبھی بے مہر کو بھی مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

ہے شاہد اس کی تاریخِ چمن خود اے چمن والو
کبھی صیاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے

اسی کا نام ہے اختر محبت کو نبھا لینا
جفا کو بھی وفائے دوستاں کہنا ہی پڑتا ہے

○

ذرّے مجھے عزیز، تمھیں آفتاب ہے
تم ہی بتاؤ کس کی نظر کامیاب ہے

اس دور میں گناہ بھی یکسر ثواب ہے
ناداں شباب ہے ارے ناداں شباب ہے

## سعید اختر

ہے کائنات غرقِ سرور تجلیات
یعنی مری نظر میں تمہارا شباب ہے

کب تک رہیں گے گردشِ دوراں کے ہم شکار
کب تک کہیں گے یہ کہ مقدر خراب ہے

ہنسی لبوں پہ نہیں چشم اشکبار نہیں
مرے جنوں کا یہ عالم بھی پردہ دار نہیں

نمودِ شام و طلوعِ سحر سے کیا مجھ کو
کہ انتظار ہے، احساسِ انتظار نہیں

کرے گا ترکِ محبت کا حوصلہ کیوں کر
وہ بد نصیب جسے دل پہ اختیار نہیں

یہ سہمے سہمے سے گل، یہ اداس اداس چمن
بہار چیخ رہی ہے کہ میں بہار نہیں

یہ کھویا کھویا سا عالم ترا خدا کی پناہ
یہی وہ راز ہے اختر جو آشکار نہیں

کہیں مل بیٹھتے اور اپنا ہم دردِ نہاں کہتے
تم اپنی داستاں کہتے ہم اپنی داستاں کہتے

نہ لطفِ دوستاں کہتے نہ جورِ دوستاں کہتے
بعنوانِ غمِ دل ہم غمِ اہلِ جہاں کہتے

نہ جانے کیوں کھٹکتے تھے نگاہِ برقِ سوزاں میں
وہی دو چار تنکے جن کو اپنا آشیاں کہتے

کرم صیاد کا ہم پر بھی ممکن تھا، مگر ہمدم!
ہمیں کو شرم آتی ہے قفس کو آشیاں کہتے

## ایک شعر

ترے میکدے پہ نہ حرف آئے ساقی
خبر لے، کوئی تشنہ کام آ رہا ہے

# محمد اسمٰعیل شمسی

## پیدائش۔ ۱۹۲۵ء

نہ چھیڑ اے غمِ دوراں تو بار بار مجھے
کہ بوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے

کسی کی یاد میں رہتا ہوں اس طرح بیتاب
نہ شب کو نیند نہ دن کو ہے کچھ قرار مجھے

○

اب خار بھی تو دہر میں ہر دلعزیز ہے
اے گل بتا کہ تیری نزاکت کو کیا کروں

بھاتی نہیں ہے تیرے سوا کوئی شے مجھے
تو ہی بتا کہ ہجر کی وحشت کو کیا کروں

## منفرد اشعار

زخمِ جگر سے خون ٹپکنے لگا ہے اب
پھر چھیڑتا ہے آپ کا تیرِ نظر مجھے

ہمدم نہ پوچھ کیفیتِ لذتِ وصال
اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

نہ حاجت رہی تیر و شمشیر کی
تری اک نظر کارگر ہو گئی

# محمد خلیل تاباںؔ

پیدائش ۱۹۲۷ء

گر جبیں وقفِ در نہیں ہوتی
بندگی معتبر نہیں ہوتی

فرق ملتا نہ آپ کا میرا
درمیاں گر نظر نہیں ہوتی

تھام لیتا ہوں بڑھ کے ساتِ عیش
جب خرد کارگر نہیں ہوتی

مر ہی جاتے نہ تیرے وعدے پر
کوئی صورت اگر نہیں ہوتی

کام لینے لگے وفاؤں سے
کیا جفا کارگر نہیں ہوتی؟

دل میں ہوتا نہ اضطراب اگر
آنکھ ہر وقت تر نہیں ہوتی

زندگی زندگی ہے وہ تاباںؔ
چین سے جو بسر نہیں ہوتی

لیتے ہی ہاتھ میں جسے آجائیں ہوش میں
وہ جام پھر سے بزم میں پیرِ مغاں چلے

آئے تھے دل میں لے کے تمنا وصال کی
لے کر تمہارے ہجر کی اک داستاں چلے

ہم رہ نوردِ شوق ہیں ہم کو نہ پوچھئے
کس طرح ظلمتوں میں سوئے کارواں چلے

اپنی دعا یہی ہے کہ آباد تو رہے — ہم پھول چن کے باغ سے اے باغباں چلے
تاباں سمجھ میں آئی نہ یہ بات آج تک — دنیا میں آ کے کس لئے ہم بدگماں چلے

---

کسی کے غم کو مٹانا کوئی مذاق نہیں — ستم زدوں کو ہنسانا کوئی مذاق نہیں
خوشی میں جھوم کے گانے تو ہیں ترانے بہت — غموں میں ڈوب کے گانا کوئی مذاق نہیں
تلاشِ یار تو آسان ہے مگر تاباں — خود اپنے آپ کو پانا کوئی مذاق نہیں

---

حرم کا ذکر کبھی ہے، کبھی فسانۂ "دیر" — "ترے خیال میں کیا کیا خیال آئے ہیں"
پھرا جو راہِ طلب سے شکستہ دل تاباں — مسرتوں نے وہیں قہقہے لگائے ہیں

---

رہِ زندگی کے ہر اک پیچ و خم میں — کہیں روشنی ہے کہیں ہیں دھندلکے
وہیں ایک شعلہ بپا ہوگا ہمدم — جہاں گر گئے اشک آنکھوں سے ڈھل کے
ہوا بیخود شرابِ محبت سے تاباں — سرِ میکدہ جام چھلکے نہ چھلکے

## منفرد اشعار

نمازِ عشق میں جب ہم قیام کرتے ہیں — بجائے شیخ کے دل کو امام کرتے ہیں

سوزشِ عشق کے مزے تاباں — ہم نے دل کو جلا جلا کے لئے

بحرِ غم سے پار ہونا ہے اگر — ڈوب جانے کی تمنا کیجئے

جو ترے عشق میں خراب نہیں — زندگی اُس کی کامیاب نہیں

# ظہیر اللہ نور

پیدائش۔ ۱۹۲۸ء

## رقاصہ

رقص کر اَے حسین رقاصہ !

تیری یہ بے قرار انگڑائی

اور آنکھوں کی گردشِ پیہم

یہ رگ و پے میں بجلیوں کا ہجوم

جیسے سیماب بن گیا ہو بدن

دم بدم زاویوں کی قوس قزح

جابجا دائروں کی کاہکشاں

یہ سبک ارتعاش یہ جنبش

یہ حسیں دلنواز چھم چھم چھم
یہ نظر کی خموش گویائی
مجھ سے رازِ حیات کہہ جائے
یاد تا عمر تیری رہ جائے

## غزلیات

ترے لبوں میں گلوں کی پھبن ہے، کیا کہنا
رخِ حسیں میں سحر کی کرن ہے، کیا کہنا

نظر چرا کے یہ چپکے سے مسکرا دینا
غضب کا یہ ترا بیگانہ پن ہے، کیا کہنا

کوئی سمجھ نہ سکا تجھ کو، تیری الفت کو
تری نگاہ میں اعجازِ فن ہے کیا کہنا

شبِ فراق کی ویرانیوں میں تیری تلاش
عجیب یہ مرا دیوانہ پن ہے کیا کہنا

تجھے بہارِ گلستاں بنا دیا میں نے
شریکِ حسن مرا حسنِ ظن ہے، کیا کہنا

لبوں پہ ان کے ہمیشہ تری غزل ہے نور

عجیب یہ ترا سحرِ سخن ہے کیا کہنا

اک روز یقیناً مری آہوں کے اثر سے — ٹپکے گا لہو آپ کی مغرور نظر سے

دل دل سے جو ملتا ہے تو کتراتی ہیں نظریں — ملتی نہیں اب اُن کی نظر میری نظر سے

تنہائی کے شعلوں میں جلی میری جوانی — کچھ دور نہ تھا یوں تو مرا گھر ترے گھر سے

ہر موڑ پہ روکے گی انھیں میری محبت — وہ رُوٹھ کے جائیں گے تو جائیں گے کدھر سے

کب تک مری دنیا میں رہے شب کا تسلط

کچھ نور عطا ہو اُسے انوارِ سحر سے

وہی عشق کی ابتدا چاہتا ہوں — وہی حُسن کی انتہا چاہتا ہوں

وہی پہلی پہلی ادا چاہتا ہوں — وہی سہمی سہمی حیا چاہتا ہوں

جو آتی تھی زلفوں کی کلیاں کھلا کر — وہی مہکی مہکی ہوا چاہتا ہوں

شبابِ قمر کی ضیا پاشیوں میں — تری قربتِ کیف زا چاہتا ہوں

نمودِ شبِ غم کی افسردگی سے — میں گھبرا کے کیا جانے کیا چاہتا ہوں

شبِ ہجر کے لمحے لمحے کا رشتہ — شبِ وصل سے جوڑنا چاہتا ہوں

جفا کا میں اے نور خوگر ہوں اتنا

وفا بھی بطرزِ جفا چاہتا ہوں

# رحمٰن کریم شاکر

پیدائش۔ ۱۹۲۹ء

شانِ محبوبی سے شیدا کیجئے
مجھ کو پہلے آپ اپنا کیجئے

حسرتِ دیدار در پر لائی ہے
اب خدارا یوں نہ پردا کیجئے

کھینچ کے آئے خود ہی کعبہ سامنے
وہ تڑپ سجدوں میں پیدا کیجئے

رونقِ محفل بنیں گے آج وہ
آپ بھی شاکر نظارا کیجئے

حسنِ جاناں کچھ ایسا برہم ہے
عشق کی انجمن میں ماتم ہے

میں ہی اک ہجر میں نہیں بے تاب
آنکھ اُس شوخ کی بھی پُر نم ہے

اُن کی چشمِ کرم ہی کافی ہے
لاکھ دشمن اگر ہیں کیا غم ہے

جس کو دیکھو اُسی میں اُلجھا ہے
زلفِ جاناں عجیب پر خم ہے

جن سے ملنے کو عار تھی شاکر
آج کیوں اُن سے ربط باہم ہے؟

مصیبت، رنج وغم، فکر والم مل کر بہم آئے

تری خاطر گوارا ہے مجھے جو بھی ستم آئے

تری چشمِ عنایت نے حیاتِ جاوداں بخشی

مری تسکینِ جاں بن کر تری زلفوں کے خم آئے

کہو اے شیخ جی کس طرح میں سجدہ نہ کر بیٹھوں

نمازِ عشق میں گر سامنے روئے صنم آئے

متاعِ زندگی اپنی لٹی تھی جس جگہ شاکر

ہزاروں بار اُس محفل سے ہم با چشمِ نم آئے

## منفرد اشعار

کس لئے سجدے میں جھک جاتی نہ پیشانی مری

نقشِ پائے یار کو کعبہ نما سمجھا تھا میں

کبھی ہجر کی تپش میں، کبھی سوزِ غم میں جل کر

مرا دل جو دل بنا تو اِسی سانچے ہی میں ڈھل کر

# حیدر نایاب

## پیدائش ۱۹۳۰ء

دُرد جامِ شراب ہیں ہم لوگ — ضوفشاں زیرِ آب ہیں ہم لوگ

عشق کا سوز و ساز ہم سے ہے — حُسن کا انتساب ہیں ہم لوگ

اس جہاں میں ہے روشنی ہم سے — رو کشِ آفتاب ہیں ہم لوگ

حسن اک بے مثال گوہر ہے — حسن کی آب و تاب ہیں ہم لوگ

گلشنِ دہر سے غرض کیا ہے؟ — دشت ہی کے گلاب ہیں ہم لوگ

پاسِ دیں ہے نہ پاسِ دنیا ہے
ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

شورِ نوشا نوش ہے مدہوش میخانہ ہے آج — میکشوں کا ذکر کیا، کونین مستانہ ہے آج

ذرہ ذرہ اُن کے رخ کی ضو سے رشکِ طور ہے — انجمن در انجمن یوں اپنا ویرانہ ہے آج

عمر بھر جل جل کے بخشی شمع کو جس نے ضیا — کس لئے ارزاں یہاں وہ خونِ پروانہ ہے آج؟

گردشِ ایام ہے کتنی تلوّن آشنا! کل تلک جو اک حقیقت تھی وہ افسانہ ہے آج

غیر جو تھے گر نہ میرے ہو سکے تو کیا گلہ؟ اپنا دل جو کل تلک اپنا تھا بیگانہ ہے آج

کیوں نہ بلبل کی تڑپ پوشیدہ ہو نایاب میں

پھول سا نوخیز نورس حسنِ جانانہ ہے آج

اُن کی آنکھوں میں جھلکتی سی حیا کیا کہیے ہائے وہ برقِ مے ہوش ربا کیا کہیے

جام دیتے ہوئے وہ شرم سے بل کھاتے ہیں شوخ ساقی کی نگاہوں میں حیا کیا کہیے

جادۂ شوق سے اب مٹ گئی ثابت قدمی ہر قدم پر ہے نئی لغزشِ پا کیا کہیے

یہ ہے افسوس کہ ہم بت کو خدا سمجھے تھے یہ دغا پیشہ نہ ہوا اس کو خدا کیا کہیے

خون نکلا جو مرے زخمِ جگر سے نایاب!

کفِ قاتل پہ بنا رنگِ حنا کیا کہیے

کیسی یہ آگ ہے چھلکے ہوئے پیمانوں میں رگِ ہر کش سے اُبلتے ہیں شرارے کیسے

ہائے بھیگی ہوئی پلکوں پہ لرزتی سی آب نے سے آسودہ ہیں ساغر کے کنارے کیسے

سرمئی آنکھ میں ہلکے سے گلابی ڈورے شفقِ حسن نے یہ رنگ نکھارے کیسے

ان کا غمزہ ہے کہ پھولوں پہ سلگتی شبنم اس نزاکت پہ کوئی دل کو نہ وارے کیسے

جو تری بزم کے آداب سے آگاہ نہ ہو بادۂ حسن کو ساغر میں اُتارے کیسے

ہجومِ گل ہے نہ جوشِ بہار باقی ہے بس ایک اپنا دلِ سوگوار باقی ہے

وہ جا چکے ہیں مگر یاد اب بھی تازہ ہے
اُتر چکا ہے نشہ پر خمار باقی ہے

کبھی لٹا تھا یہاں دل کا قافلہ نایابؔ
فضا میں اس لئے شاید غبار باقی ہے

گنگناتی ہیں فضائیں، جھومتا ہے آسماں
پا کے تیری آنکھ کی شہ، مست ہے کون و مکاں

سنگِ در سے رفتہ رفتہ آ گئے ہم دار تک
دیکھئے ان کی محبت لے کے جاتی ہے کہاں

درد جو ہلکا تھا دل میں، ہو گیا اب لا دوا
بات جو چھوٹی تھی بڑھ کر بن گئی اک داستاں

میری آنکھوں سے وہ آنکھیں جو ملا دیتے ہیں
حوصلے عشق کے کچھ اور بڑھا دیتے ہیں

دلِ واماندہ کے اِصرار سے ہم تنگ آ کر
جادۂ شوق سے منزل کو صدا دیتے ہیں

پروانے کی فطرت دلِ مضطر میں ہے پنہاں
مٹ جائیں گے پر حسن کو رسوا نہ کریں گے

بیزار سہی لاکھ وہ ہم سے مگر اے دل
کیا اپنی وفا پر بھی بھروسا نہ کریں گے؟

پہلے ہی سے میخواروں کے قدموں میں ہے لرزش
میخانے سے نکلیں گے تو کیا کیا نہ کریں گے

## منفرد اشعار

محویتِ جنوں کی یہ پرواز دیکھئے
ہاتھ آ گیا ہے عرشِ عقیدت کبھی کبھی

نشانِ قافلہ سمجھو کہ سمجھو ضربِ قدم
غبار میں جو ہوا گم وہ نقشِ پا ہوں میں

جھوٹ کچھ اس طرح بولے اعتبار آ ہی گیا
بے وفائی پر صنم کی ہم کو پیار آ ہی گیا

نقوشِ زخمِ جگر کے ابھرتے جاتے ہیں
نگاہ جب سے لڑی ہم سنورتے جاتے ہیں

مٹا کے خود کو بلندی کے در پہ آیا ہوں
یقین گر نہ ہو دیکھو عروجِ دار کو تم

نیازِ عشق کی خاطر وفا کرتے ہیں ہم نایابؔ
اگر وہ بے وفا کہہ دیں تو ہم اقرار کریں گے

# حافظ رفیق درد

پیدائش ۱۹۳۲ء

تیری جب تک نظر نہیں ہوتی  زندگی معتبر نہیں ہوتی

اپنے دل میں خلوص پیدا کر  التجا بے اثر نہیں ہوتی

عرصۂ زیست تنگ ہوتا ہے  داستاں مختصر نہیں ہوتی

ڈھونڈتی پھرتی ہے اثر کو دعا
جب دوا کارگر نہیں ہوتی

لے کر چلی ہے آرزوئے دیدِ یار دیکھ  بڑھتا چلا ہوں ہنستے ہوئے سوئے دار دیکھ

بیمارِ غم کا فیصلہ تیری نظر میں ہے  تو بار بار ہی نہ سہی ایک بار دیکھ

مطرب تو دیکھ بھال کے رکھ اپنی انگلیاں
سازِ حیات کا کہیں ٹوٹے نہ تار دیکھ

دوا ہے کم نہیں کچھ دردِ عاشقی کے لئے  تڑپ رہا ہوں شبِ ہجر روشنی کے لئے

رہِ وفا میں نئی بات میں نے دیکھی ہے
جنوں کے ساتھ خرد بھی ہے رہبری کے لئے

تو ہی تو ہے کہ جو آگاہ دردِ دل نہ ہوا
جہاں میں آدمی آیا ہے آدمی کے لئے

وفا کے موڑ پہ وہ مل کے اس طرح بچھڑے
سوال بن گیا یہ میری زندگی کے لئے

مری نظر کو ترے حسن نے نوازا ہے
یہ نور وہ ہے جو کافی ہے تیرگی کے لئے

خزاں تو در رو مجھے عمر بھر نہ راس آئی
بہار آئی ہے اب چاک دامنی کے لئے

جو دل میں سوزشِ الفت نہیں ہے
تو پھر جینے میں کچھ لذت نہیں ہے

نہ دے آواز اے عمرِ گزشتہ!
میں مڑ کر دیکھ لوں؟ فرصت نہیں ہے

میں ان سے بھی نباہے جا رہا ہوں
مجھے اغیار سے نفرت نہیں ہے

کرے گا قدر کیا تو روشنی کی!
تری دنیا میں جب ظلمت نہیں ہے

اسی کا نام ہے کیا آزمائش؟
وہ ساحل ہیں سفینہ ڈوبتا ہے

عبث ہے جستجو دیر و حرم میں
ترے دل ہی میں وہ جلوہ نما ہے

کسی کی مست آنکھوں کے تصدق
کہ خالی جام بھی گویا بھرا ہے

ارمان سسک کر سو بھی گئے اور دیدۂ تر بھی پتھرا ئے

اب بہرِ خدا دکھلاؤ جھلک بیمار تمھارے آ پہنچے

جلوہ جو تیرا عام تھا تابِ نظر نہ تھی
آئی نظر میں تاب تو اپنی خبر نہیں

اٹھنے بھی ہاتھ پائے نہ تھے خود وہ آ گئے
کہتا ہے کون میری دعا میں اثر نہیں

گھبرا نہ جاؤ غم سے ملے گی تمہیں نجات
"ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہیں"

اے دؔرد رفتہ رفتہ وہ آئیں گے راہ پر
مانا کہ عشق میرا ابھی معتبر نہیں

کڑی ہے عشق کی منزل تو کیا ہے
مجھے حاصل جنوں کی رہبری ہے

ضیائے داغِ دل جب ہے سلامت
تجھے دؔردِ حزیں پھر کیا کمی ہے؟

ہوئی شام بڑھتے چلے ہیں دھندلکے
خدا جانے میں دم کہاں لوں گا چل کے

بنا دے گا ہر ایک کو ماہِ تاباں
ترا حُسن آ کر جو ذرّوں میں جھلکے

چشم نم، لب پہ آہ، چاک جگر
عمر بھر کی یہی کمائی ہے

ہر نیا آستاں وہیں ابھرا
میں نے جس جا جبیں جھکائی ہے

سر کے بل یار تک چلوں لیکن
سامنے بتکدہ نہ آ جائے

نہ لڑا آنکھ اس طرح ساقی
وجد میں مے کدہ نہ آ جائے

ہر قدم پر فریب دینے کو
"پھر کوئی راہ نما نہ آ جائے"

ناخدا دیکھ موج کی زد میں
یہ سفینہ مرا نہ آ جائے

## ایک شعر

اک فتنہ بپا کر گئے آئے وہ جہاں بھی
اِک حشر بپا ہو گیا گذرے وہ جدھر سے

# عبدالصمد آصف

پیدائش۔ ۱۹۳۲ء

ہوکے ماحول سے بے خبر جائیے
منزلِ کش مکش سے گذر جائیے

شورشِ میکشی سے پریشاں ہیں کیوں؟
بات تو جب ہے، ساقی پہ مر جائیے

غیرتِ عشق کو یہ گوارا کہاں؟
منزلِ پر خطر سے جو ڈر جائیے

عام کرتے ہوئے رسم و راہِ وفا
عشق میں سُرخرو ہو کے مرجائیے

منزلِ عشق کانٹوں بھری راہ ہے
دیکھ کر جائیے، دیکھ کر جائیے

تم کو آصف سے کچھ اُنس ہو یا نہ ہو
اس کی بیمار پرسی ہی کر جائیے

مری نظر کی خطا یہی ہے
اُسے تری شکل بھا گئی ہے

میں چیر دوں ظلمتوں کا سینہ
ضیائے الفت مجھے ملی ہے

ستم گوارا، جفا گوارا
اگر یہی شانِ دلبری ہے

بہک نہ جائیں کہیں نگاہیں
بڑی فسوں ساز زندگی ہے

## عبدالصمد واصف

مجھے نہ چھیڑو صبا کی لہرو مری طبیعت بجھی بجھی ہے

جو ناشناسِ وفا ہے واصف

اُسی ستم گر سے دوستی ہے

ہم چاند پر چلے کہ سرِ کہکشاں چلے لے کر تمھاری یاد چلے ہم جہاں چلے

دل ڈوبنے لگا ہے خیالِ فراق سے طوفان کے سہارے یہ کشتی کہاں چلے

باطل بھی کر سکا ہے کبھی حق کا سامنا؟ کھوٹا جو ہو گیا ہو وہ سکہ کہاں چلے

واصف خیالِ یار رہا جن کے ساتھ ساتھ

دُنیا سے جب چلے تو وہی شادماں چلے

سراپا عشق، سرتاپا وفا ہے ترا عاشق محبت آشنا ہے

محبت جذبۂ دل کی صدا ہے خرد اس درد سے نا آشنا ہے

ہوس منزل کی پیچھے رہ گئی ہے

جنونِ شوق اتنا بڑھ گیا ہے

تو اس طرح ہے ہر رگِ جاں میں بسا ہوا تجھ سے جدا تصورِ دردِ جگر نہیں

محرومیاں ہیں دل میں بسیرا کیے ہوئے

بے تاب حسرتوں کا کوئی مستقر نہیں

## ایک شعر

پھر جنوں ساماں ہوئی بزمِ چمن پھر دلِ شیدا کو رسوا کیجئے

# سید مسیح اللہ مسیحؔ

پیدائش ۱۹۳۲ء

## ہائے جگرؔ ہائے جگرؔ

عظمتِ ہندوستاں، اے شاعرِ سحر البیاں
اے خداوندِ غزل، اے ناظمِ شیریں زباں

آسمانِ شاعری پر تو ہے یوں جلوہ فگن
ذرّے ذرّے پر نمایاں جیسے سورج کی کرن

تیرا حسنِ شاعری ہے لاجواب و لازوال
ہے فرازِ آسماں تک تیری پروازِ خیال

تیری طرزِ گفتگو اور تیرا اندازِ بیاں
جیسے لہروں کا تموّج جیسے طوفاں کی زباں

گیسوئے اُردو کی آرائش ترا اعجاز ہے
تیرا نغمہ کیا ہے گویا وقت کی آواز ہے

شاعرِ جادو بیاں ہے آج پیوندِ زمیں!
رونقِ بزمِ ادب شہرِ خموشاں کا مکیں!

ہند کے نخلِ تغزّل کا جو تھا یکتا ثمر
ہو گیا نذرِ خزاں ہائے جگرؔ ہائے جگرؔ!!

# چینی حملہ۔ قطعات

کرکے حملہ ہند پر اے چین تو!
کھو چکا دنیا میں اپنی آبرو
ہوگئی ہے تیری نیت آشکار
تجھ سے کیوں کر صلح کی ہو گفتگو؟

○

جانتے ہیں ہند کو سب دیدہ ور
ہے ہمیشہ صلح کا پیغامبر
ساز کی مانند یہ خاموش ہے
رکھ نہ اُنگلی اس کے دل کے تار پر

○

روحِ اکبر خلد میں بے تاب ہے
چشمِ ٹیپو قہر سے خوں ناب ہے
چین اور پھر ہند پر حملہ کرے؟
یہ حقیقت ہے کہ کوئی خواب ہے

○

یہ چمن ہے گوشۂ امن واماں
بُدھ نے روحِ عشق پھونکی ہے یہاں
خون سے سینچا ہے گاندھی نے جسے
ہو نہیں سکتا وہ پامالِ خزاں

○

آنکھ اٹھائے ہند پر کس کی مجال
کُل جہاں پر اس کا ہے عزّ و جلال
دشمنانِ ہند تم خود دیکھ لو!
حق پرستی اور صداقت کا مآل

پیدائش ۱۹۳۳ء

## بجھتے دیئے

تو بہت دور بہت دور بسی ہے کہ جہاں
میری آواز بھی جا جا کے پلٹ آتی ہے
تجھ کو پانے کی تمنائے عبث میں اکثر
در و دیوار سے ٹکرا کے بھٹک جاتی ہے

میں نے یادوں کو تری دل سے مٹانا چاہا
پھر بھی خوابیدہ تمنائیں مچلتی ہی رہیں
جھلملاتی رہی تخئیل میں ماضی کی جھلک
آرزوئیں غمِ ایام میں ڈھلتی ہی رہیں

اب وہ گلہائے عقیدت میں کہاں سے لاؤں
منسلک تھے مرے ایامِ جوانی جن سے

ہائے وہ گیت، وہ نغمے، وہ تبسم، وہ حیا!
سنتا رہتا تھا میں اپنی ہی کہانی جن سے

میری پلکوں پہ لرزتے ہوئے موتی کو بھلا
کون بڑھ بڑھ کے اب آنچل کا سہارا دے گا
یاس و حسرت کو مری کون تسلی دے کر
میری خاکستر ارماں کو شرارا دے گا

اب خلاؤں میں بھٹکتی ہے تمنا میری
میری تقدیر میں ظلمت کے سوا کچھ بھی نہیں
میرے جذبات کے گلزار میں ویرانی ہے
اور آنکھوں میں شکایت کے سوا کچھ بھی نہیں

ٹمٹماتے ہیں دیے آج مری حسرت کے
خونِ جذبات کو گھٹ گھٹ کے یہاں پی لوں گا
میری ہستی کو خوشی راس نہ آئی نا ہمدم!
بادۂ غم کے سہارے یونہی میں جی لوں گا

○

## ایک شعر

دلِ فگار رہے آماجگاہِ آہ و فغاں — جیسے بہار کا جھونکا بھی گدگدا نہ سکا

ہم محفلِ خوباں میں کئی بار کرامت — کچھ کہہ گئے کچھ سن گئے خاموش نظر سے

---

بدلا سا نظمِ شمس و قمر دیکھتا ہوں میں — اعجازِ ارتقائے نظر دیکھتا ہوں میں

بخشی ہے مجھ کو عشق نے وہ وسعتِ نظر — اپنا ہی آئینہ ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

لیلائے شب کو کیوں نہ میں دیتا دعائے خیر — سینے میں اس کے نورِ سحر دیکھتا ہوں میں

دھندلا گئی ہے جس سے یہاں عزم کی شفق — اب تک وہی غبارِ سفر دیکھتا ہوں میں

ان کی نظر میں لطف و عنایت کی وسعتیں — گو دیکھتا نہیں ہوں مگر دیکھتا ہوں میں

شاید ہے بے پناہ کشش میرے سوز میں — ان کو قریبِ دردِ جگر دیکھتا ہوں میں

یوں تازگیٔ ذوقِ نمو سے ہے واسطہ — ہر دم طلوعِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں

---

اٹھو کہ حق طلبی کا زمانہ آیا ہے — شکستِ بولہبی کا زمانہ آیا ہے

نئی کرن تجھے بھر لوں میں اپنے دامن میں — جہاں میں تیرہ شبی کا زمانہ آیا ہے

سرابِ خشک سے پھوٹے گا ایک چشمۂ آب — وفورِ تشنہ لبی کا زمانہ آیا ہے

مری شکستہ تمناؤ جاگ جاگ اٹھو — حدودِ نیم شبی کا زمانہ آیا ہے

شفق میں کوندتی پھرتی ہے میرے دل کی پکار — کہ آہِ نیم شبی کا زمانہ آیا ہے

---

تو غور سے حیات کے نقش و نگار دیکھ — دنیائے بے ثبات کو یوں پائدار دیکھ

تھا اک حجاب پردۂ سازِ حیات میں — اس کو غمِ شکست میں اب آشکار دیکھ

کرنا اگر ہے دل کی تڑپ کا مشاہدہ — اک مشتِ خاک میں اُسے بیقرار دیکھ

میری نظر میں وقت کا تودہ پگھل گیا — اے دل کرشمۂ تپشِ انتظار دیکھ

# بہار الدین ریاضؔ

پیدائش۔ ۱۹۳۵ء

## جائزِ تمنا

رات سنسان اور چاندنی زرد رو — پیڑ ساکت، فضا غم میں ڈوبی ہوئی
اک پرندہ اڑا چند پتے گرے — پھر وہی ہو کا عالم، وہی خامشی

دفعتہً سرسراہٹ ہوئی اک طرف — ایک ٹوٹی ہوئی قبر ہلنے لگی
چاند کے ٹمٹماتے دیے کے تلے — ایک مردہ کلی جیسے کھلنے لگی

اک جواں مرد، دلکش حسیں خوب رو — جیسے یونان کا ہو کوئی دیوتا
اُس کے چہرے پہ تھیں غم کی پرچھائیاں — جیسے صدیوں سے ہو کرب میں مبتلا

وہ بڑھا اور رکا ایک اک گام پر
ڈھونڈتے ڈھونڈتے مدفنوں کے نشاں
ہر لحد اس کی یادوں کی آماجگاہ
ہر لحد میں تھے کچھ راز اُس کے نہاں

دور تک تھا مزاروں کا اک سلسلہ
چند قبریں پرانی تھیں اور کچھ نئی
چند قبریں تھیں پھاڑے ہوئے اپنا منہ
چند پر تازہ مٹی کی بو باس تھی

سایہ رکتا رہا ٹوٹی قبروں کے پاس
اور کبھی زیر لب بڑبڑاتا رہا
جیسے کہتا ہو "کب تک میں مرتا رہوں
ایک جائز تمنا کی خاطر بھلا؟"

## غزل

رات لمبی ہے، زندگی کم ہے
ابھی جاؤ کہ آنکھ میں دم ہے
چاند سے شعلے کیوں لپکتے ہیں؟
کیوں پریشان ابنِ آدم ہے
چوٹ کرنوں کی سہہ نہیں سکتی
"کتنی نازک مزاج شبنم ہے"
رقص فرما ہیں موت کے سائے
زندگی زندگی کا ماتم ہے
قصۂ غم کہے زمانہ ہوا!
آج تک آنکھ ان کی پرنم ہے
ان کی زلفیں سنور گئیں لیکن
زندگی کا مزاج برہم ہے
چاک دامن رفو تو کر لو ریاض
ہر روش پر جنوں کا عالم ہے

# کرامت علی کرامت

پیدائش ۱۹۳۶ء

## طفلکِ شوق

(اپنی بچی صنوبر سے متاثر ہو کر)

ایک آہنگِ نا سرائیدہ
سینۂ مطربِ حیات میں ہے
ہمہ تن گوش منتظر جس کا
سانۂ دل بزمِ کائنات میں ہے

ایک شاعر کے دل کا سوز و گداز
تجربوں میں ابھی جو پلتا ہے
روحِ دوراں کا آئینہ بن کر
پیکرِ شاعری میں ڈھلتا ہے

ایک مسکان ہے جو چھوٹی ہے
چشمِ محبوب سے کرن بن کر
لب و عارض پہ جو نہیں پھیلی
استعاروں کی انجمن بن کر

ایک پہچان جو رہی پہچان
نہ ملی جس کو پیار کی شہرت
ایک پیمان جو رہا پیمان
نہیں تکمیل کی جسے حاجت

ہے خودی جو شعورِ باطن میں
ایک دن بے بہا نہ بن جائے
دامنِ کائنات میں آخر
پھیل کر یہ خدا نہ بن جائے

طفلکِ شوق کا دلِ بے تاب
چاہتا ہے جو ارتقائے نظر
بڑھ کے یہ جب بنے فلک پیما
تو بدل دے نظامِ شمس و قمر

# کفِ قاتل

(چینی جمارحیت سے متاثر ہوکر)

ہے منجمد کفِ قاتل پہ آج خونِ وفا
پکارتا ہے کہ سُن اے نظامِ دار و رسن!
تری فضا میں اُبلتا لہو کا فوارہ
بھگو دیا ہے یہاں جس نے رُوح کا دامن
یہ لہر لہر خوشی کی، یہ جشن ہولی کا
لئے ہوئے ہے یہاں کتنے ولولوں کی گھٹن
لئے ہوئے ہے یہاں کتنی دلخراش آہیں
لئے ہوئے ہے یہاں کتنے حوصلوں کا کفن!
چھلک رہا ہے جو خوں آج دستِ قاتل میں
وہ پل رہا تھا یہاں نخلِ آرزو ہو کر
وہ بہہ رہا تھا کسی آنکھ سے جدائی میں
چھلک رہا تھا کبھی درد کا سبو ہو کر
کبھی وہ حبِ وطن میں تڑپ رہا تھا یہاں
عروسِ زیست کی عفت کی آبرو ہو کر

## کرامت علی کرامت

کبھی وہ جھلہ دل میں چھپا رہا برسوں
کبھی ابھرنے لگا جذبۂ نمو ہو کر
رگوں میں دوڑتا پھرتا تھا جو لہو کل تک
چھٹک کے دار کی ٹہنی پہ آج غلطاں ہے
شفق نے اس کو جگہ دی ہے اپنے آنسو میں
خزاں رسیدہ بہار اس کی اب نگہباں ہے
وفا کے قتل پہ اب کانپتی ہے بادِ صبا
کہ جس کو دیکھ کے شمع حیات لرزاں ہے
یہ قطرہ آگ لگا دے نہ بزمِ عالم میں
کہ ایک شعلۂ جوالہ اس میں پنہاں ہے

## قطعات

چشم مے گوں کے اک اشارے پر — یوں چھلک اٹھا میرا پیمانہ
شمع کی لو کے تیز ہوتے ہی — جل کے ہو خاک جیسے پروانہ

دل میں ہے یاس کی فراوانی — پھر بھی الفت کے داغ جلتے ہیں
جس طرح موت کے اندھیروں میں — زندگی کے چراغ جلتے ہیں

میں جلاتا ہوں آرزو کا چراغ  پھر یکایک اُسے بجھاتا ہوں
ایک نادان طفل کی مانند  اپنی لغزش پہ مسکراتا ہوں

دورِ حاضر میں زیست کی امید  دل میں یوں ڈوبتی ابھرتی ہے
جیسے سولی کے ایک قیدی کی  صبح تک رات بھر گذرتی ہے

## رباعیات

روحِ لبِ گفتار کو فرحت بخشی  مفہوم کی دنیا کو لطافت بخشی
عکسِ رخِ رنگیں کے ہر اک پرتو نے  شاعر کی نظر کو نئی جنت بخشی

زلفِ غمِ دوراں کو سنور جانے دو  احساس کی چاندنی کو چمک پانے دو
تخئیل کی پریوں کو بصد ناز و ادا  اشعار کے شیشے میں اتر آنے دو

## غزلیات

یوں دیکھتے ہیں مجھ کو وہ بے تاب نظر سے  شاعر کوئی جس طرح یہاں داد کو ترسے
خود بڑھ کے زمیں نے مجھے دامن میں سمیٹا  اک بوند جو بن کر میں گرا دیدۂ تر سے
ان کی نگہ ناز سنبھالے گی بالآخر  کیا ڈر ہے جو گر جاؤں زمانے کی نظر سے
وہ مشقِ ستم کرتے ہیں رُک رُک کے جو مجھ پر  تھم تھم کے نکلتی ہے دعا در دِ جگر سے
میں ان کی نگاہوں میں وفا ڈھونڈ رہا ہوں  جس طرح غزل گو نئے موضوع کو ترسے

تجھ کو وفا کے دہر سے کیا کچھ نہیں ملا؟ اب تو عنایتِ ستم روزگار دیکھ

---

لیا تھا جو بھی زمانے سے زندگی کیلئے کیا ہے ہم نے اُسے وقف شاعری کیلئے

نہیں ہے موت کا نام و نشاں تصور میں کہ جی رہا ہوں یہاں صرف زندگی کیلئے

شعورِ حسن، لٹا دوں متاعِ ہوش و خرد تری حیات کے اک لمحۂ خوشی کیلئے

کہاں سے لاؤں میں وہ تازگی نگاہوں کی خیال و فکر و تصور کی بیو گی کیلئے

کوئی تو راہ بتا دے خزاں رسیدہ بہار مری شکستہ تمنا کی تازگی کیلئے

شعورِ عشق کی سوزش سے آشنا ہو جا کہ یہ بھی چاہیئے اندازِ دلبری کیلئے

اُبھر رہا ہے تصور میں ایک پیکرِ ناز ابھی کچھ اور ضرورت ہے آزری کیلئے

یہ کہہ رہی ہے کرامت تری جبیں کی تڑپ خلوص چاہیئے احساسِ بندگی کیلئے

---

کہو نظر سے کہ چھلکائے اب نہ پیمانہ سجا لیا ہے تصور میں ہم نے مے خانہ

مچل رہی ہے نظر میں بہارِ نادیدہ ہمیشہ کیوں نہ ہو آباد دل کا ویرانہ

نگاہِ مست سے اُن کی چرا کے کیف و سرور غزل میں گھول دیا ہم نے ایک میخانہ

گئے ہیں گرمیِ محفل گئے یہ سوز دروں ہر ایک حال میں جلتا ہے خونِ پروانہ

اچھالتا ہوں میں شعلے بھی اور شبنم بھی چھلک رہا ہے بہر طور اپنا پیمانہ

قلم اٹھاؤ کرامت کہ وقت آیا ہے وفا کے خون سے لکھنا پڑیگا افسانہ

## ایک شعر

لمحۂ وصل کا اک جزوِ حسیں مانگ لیا یہ کرامت کے لئے عمرِ خضر ہے کہ نہیں

# جبار جلیل

پیدائش ۱۹۳۶ء

اے بہارِ نو اِدھر بھی دیکھ لے — آج دیوانہ ترا بد نام ہے

اب کہاں زلفوں کے لہرانے کی بات — خود پریشاں گیسوئے ایام ہے

رسمِ الفت آج ہے تشنہ بہ لب — خونِ دل بھر دو کہ خالی جام ہے

مٹ ہی جانا یا مٹانا ظلم کو — گھٹ کے مر جانے سے بہتر کام ہے

ہمسفر تاریکیٔ شب سے نہ ڈر — صبحِ نو تک فاصلہ دو گام ہے

آرزوئیں سو گئیں تو موت ہے — "زندگی بےچینیوں کا نام ہے"

دل بھی تیرا کس سے الجھا اے جلیل

کج ادائی حسن کا پہلا کام ہے

وفا کے نام سے مشقِ جفا ہے — کوئی کہہ دے کہ یہ انداز کیا ہے

گلوں میں آگ پوشیدہ ہے شاید — بہار آتے ہی دل جلنے لگا ہے

یہ ہے اعجاز میری عاجزی کا

غرورِ حسن شرمانے لگا ہے

# عبدالمجید فیضی

پیدائش ۱۹۳۶ء

جانِ بہار، حُسنِ شبابِ غزل ہو تم
در اصل کیفِ موجِ شرابِ غزل ہو تم

رعنائیاں غزل کی مری تم پہ ہیں نثار
میری نظر میں خود ہی جوابِ غزل ہو تم

رخشندہ ہے تمھیں سے مرے دل کی کائنات
گویا مری نظر میں شہابِ غزل ہو تم

تم روحِ انبساط و حیاتِ سرود ہو
یا نغمۂ نشاطِ ربابِ غزل ہو تم

○

یہ دل ہے یا کوئی آئینہ خانہ؟
گذرگاہِ خیالِ دلبراں ہے

غمِ جاناں اور اس پر فکرِ دوراں
مری خاطر یہ اک بارِ گراں ہے

سنو گے کیا مرے غم کا فسانہ؟
تمھارے ظلم کی اِک داستاں ہے

جفا، بے التفاتی، جورِ پیہم
جو کچھ بھی ہے بحسابِ دوستاں ہے

# عبدالصمد پریمی

پیدائش۔ ۱۹۳۶ء

## طنز و مزاح

اگر ہر نئی فلم دیکھو نہ چس کے
تو رہ جاؤ گے اپنے ہاتھوں کو مل کے

جو تھالی کے بیگن ہیں کیا ان کا کہنا
اِدھر گاہ لڑھکے اُدھر گا ڈھلکے

ارادہ ہے میرا کہ جاؤں گا حج کو
مگر تو سوچو ہوں کو پہلے نگل کے

مرے شعر ایسے ہیں بزم سخن میں
کھلیں پھول پوکھر[1] میں جیسے کنول کے

خدا سے روٹھ کے جاتا کہاں ہے
ارے اندھے ترے آگے کنواں ہے

حقیقت میں وہ ایسے بن گئے بت
سوالِ وصل پر کچھ ہوں نہ ہاں ہے

وہ مسلم ہو کہ ہندو ہو کہ سکھ ہو
اُسے پیاری یہی اُردو زباں ہے

[1] اڑلیسہ میں تالاب کو پوکھر بھی کہتے ہیں۔

ان کی جو یہ پتلی یہ لچک دار کمر ہے

سچ پوچھو تو یہ بھارت نا یٹم کا اثر ہے

سو ڈگری سے بڑھ کر جو ہر اٹمپریچر ہے

کچھ اور نہیں یہ تو محبت کا فیور ہے

اے حضرتِ عیسیٰ کے گدھے تجھ کو خبر ہے؟

تو مکّہ بھی جا کر اگر آئے وہی خر ہے

تم غور سے دیکھو تو ذرا غیر کی صورت

دو پاؤں کا جنتو[1] ہے فقط دم کی کسر ہے

مسجد بھی ہے سنسان تو مندر بھی ہے ویران

آباد اگر ہے تو فقط سینما گھر ہے

لیڈر ہے اگر تو تو تری آؤ بھگت میں

ٹی پارٹی ہے اٹ ہوم ہے دعوت ہے ڈنر ہے

تم بارہ مزہ سمجھو اگر بزمِ سخن کو

پریمی کا کلام اس میں نمک مرچ مٹر ہے

مجھے سمجھا کے واعظ تھک گیا جب        لگا کہنے کہ یہ چکنا گھڑا ہے

نکالو غیر کو محفل سے اپنی        یہاں یہ برف بن کر جم گیا ہے

[1] جنتو: جانور۔ عموماً خطرناک جانور

اُن کے وعدے کو ہوا ہفتہ مہینہ سال بھر

اس کو بھی اک پنج سالہ یوجنا سمجھا تھا میں

دلدل میں پھنس کے رہ گیا چھکڑا غریب کا

سڑکوں پہ دوڑتی ہے امیروں کی کار دیکھ

کس طرح پانچ ہوتے ہیں پچیس اور پچاس

تو کابلی سے سود پہ لے کر ادھار دیکھ

محبت ہو گئی جنجال جی کا

کوئی چاہے تو دیدوں اس کا ٹھیکا

خدا کا نام لو تم یا ھری کا

لگا ہے پھر بھی ڈر سی۔ آئی۔ ڈی کا

## منفرد اشعار

آپ کی محبت کچھ رنگ ایسا لائے گی
بینک میں جو روپیہ ہے ڈرا اسے کرائے گی

اس دوش کا دستور بھی منحوس ہے کتنا
عالم بھی کیا کرتے ہیں جاہل کا الکشن

وہ ہے لڈو میں جلیبی میں نہ رس گلے میں
جیسا آتا ہے سویوں کا مزہ عید کے دن

گھل گیا ہوں ہائے تیرے ہجر میں کچھ اس طرح

جیسے بریانی میں گھل جاتا ہے بریانی کا گوشت

# جلال الدین بدر

پیدائش ۱۹۳۷ء

جفا سہتے رہے ہیں عشق و الفت میں زمانے کی
ابھی کوشش نہ کیجے اور ہم کو آزمانے کی
مجھے راہِ جنوں کچھ اب کے راس آنے لگی ہے بدر
بڑی مشکل سے کی ہے میں نے کوشش مسکرانے کی

○

تشنہ لب ہوں بخدا مجھ کو نہ چھیڑ اے زاہد
تشنگی اپنی ذرا اور بجھا لوں تو چلوں
ایسی ہی بے رخی تیری ساقی رہی اگر
پھر تیرے میکدے میں نہ آیا کریں گے ہم
جانتا تھا راہ ہو گی پیچدار
پھر بھی زلفوں سے تری الجھا کیا

# محمد سعید سعید

## پیدائش ۱۹۳۸ء

شکوے میں کیا کروں ستمِ روزگار کے　　بیٹھا ہوں دو جہان کو الفت میں ہار کے

مت پوچھئے کہ حال مرا قیس سا ہے کیوں　　آیا ہوں دشتِ نجد میں عمریں گذار کے

پر کیف ہے فضا تو مناظر ہیں دلفریب　　وہ آئے کیا کہ آ گئے جلوے بہار کے

کل تک جو کر رہے تھے یہاں غم رہبری　　بیٹھے ہیں آج عزمِ جواں کو وہ ہار کے

چمن سے جب بھی نسیمِ بہار گذری ہے　　قفس میں خاطرِ عاشق پہ بار گذری ہے

ابل رہی ہے فضاؤں سے کیف و مدہوشی　　بڑی ادا سے عروسِ بہار گذری ہے

تمھاری یادوں کے پیکر سے کھیلتا ہی رہا　　"بڑے مزے میں شب انتظار گذری ہے"

شکن جبیں پہ ہے ان کی سعید ممکن ہے

تمھاری بات انھیں ناگوار گذری ہے

## ایک شعر

مری زندگی کی یارب کبھی صبحِ نو تو ہوگی　　کبھی دور بھی تو ہوں گے مرے غم کے کالے سائے

# معزہ خاتون موزوں

پیدائش ۔ سنہ ۱۹۳۹ء

## مفلس حسینہ

اے حسینہ، اے شباب و شعر کی آئینہ دار
تو ہے گویا صانعِ قدرت کا دلکش شاہکار

ہے جبیں پر تیری کیسا آج غربت کا نشاں؟
ہاں بجز رب کے کوئی تجھ پر نہیں ہے مہرباں

غور سے دیکھا جو تجھ کو ارض کی اک حور ہے
پر امیروں کے تصور سے تو کتنی دور ہے!

ان کی دنیا میں خوشی ہے چین ہے آرام ہے
تیری دنیا پر مسلط درد و غم کی شام ہے

ہر گھڑی رنج و الم سے کیوں ترا دل چور ہے؟

مفلسی کے ہاتھوں تو کس قدر مجبور ہے

رہتی ہے ہر وقت نالاں اپنی اس غربت سے تو

اس قدر محروم ہے کیوں زیست کی لذت سے تو؟

مجھ پہ کھلتا ہی نہیں موزوں کہ یہ کیا راز ہے

اک ذلیل و خوار ہے، اک برسرِ اعزاز ہے

# غزلیات

میری نگاہِ شوق کو تیری ہی روشنی ملے
جس میں رہے تری رضا مجھ کو وہ بندگی ملے

اس قلبِ بے قرار کو کچھ تو قرار چاہیئے
جس کی یہاں تلاش ہے مجھ کو وہی خوشی ملے

یہ باغ کی بہار کیا یہ پھول کیا یہ خار کیا
دیکھا جو ہم نے غور سے یہ بھی نہ دائمی ملے

موزوں مری حیات کو سوزِ ازل نصیب ہے

میرے ربابِ شوق کو آہنگِ سرمدی ملے

رکھا ہے درد جو دل میں چھپا کر
یہی اپنی متاعِ زندگی ہے

کہیں پلکوں سے میرے گر نہ جائے
کہ یہ موتی بہت ہی قیمتی ہے

مری ہستی کو دنیا سے مٹا کر

انھیں حاصل سکونِ زندگی ہے

# خالد رحیم

پیدائش ۱۹۴۱ء

## بارہا

کتنا ویران ہے مرا کمرہ
ڈس رہی ہے مجھے یہ تنہائی
میرے کمرے کے ایک کونے میں
ایک چھوٹی سی میز ہے جس پر
چند بکھری ہوئی کتابیں ہیں
سوچتا ہوں کہ ان کتابوں سے
اپنے بیزار دل کو بہلاؤں
پھر مجھے یہ خیال آتا ہے

یہ کتابیں بہت پرانی ہیں
بارہا ان کو پڑھ چکا ہوں میں

# حصہ سوم

سائے میں زلفِ غم کے آرام کر رہا ہوں

تو کس کو ڈھونڈتی ہے اَے گردشِ زمانہ؟

مظہر امام

منزل بھی ایک راہ بھی ایک، اختلاف کیوں؟

بس یہ کہ بڑھ گئے ہیں ذرا کارواں سے ہم

شمس منیری

بے کیف ہے حیاتِ خضر بھی ترے بغیر

باز آئے ایسی زندگیِ جاوداں سے ہم

منظر حسن منظر

# شمس منیری

پیدائش ۱۸۹۶ء

بھاگے تو تھے کشاکشِ بزمِ بتاں سے ہم
"پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم"

اللہ! ان کی یاد اب اتنی سی رہ گئی
گویا کبھی ملے تھے کسی میہماں سے ہم

منزل پہ پہلے کون پہنچتا ہے دیکھئے
دوڑے ہیں شرط باندھ کے عمرِ رواں سے ہم

ہے گردشِ فلک میں بھی چشمِ بتاں کا رنگ
یوں ورنہ دبنے والے نہ تھے آسماں سے ہم

منزل بھی ایک، راہ بھی ایک، اختلاف کیوں؟
بس یہ کہ بڑھ گئے ہیں ذرا کارواں سے ہم

راہِ طلب میں جس کے نشاں ہر قدم پہ ہیں
ملنے چلے ہیں شمس اسی بے نشاں سے ہم

## منفرد اشعار

آستاں پر ترے جھکا تھا کبھی
سر میں اب تک غرور ہے اے دوست

یوں تو ہیں سب کی نگاہوں میں یہ پیاری آنکھیں
"کوئی دیکھے مری آنکھوں سے تمھاری آنکھیں"
نجمی

# اصغر علی بیدل

## پیدائش ۱۹۰۴ء

ہچکیاں آئیں دمِ نزع تو سمجھا ہم نے
بیڑیاں ٹوٹیں رہا قیدیِ زنداں ہوں گے

ہر مصیبت سے بڑی یہ ہے مصیبت کہ اگر
آئے بھی تو یہ نہ سمجھیں کہ مصیبت آئی

شاہِ اقلیمِ غم بنا ہوں میں
میری الفت کا پوچھنا کیا ہے؟

قسمت نے جب چمن سے نکالا تو ہم کو کیا
فصلِ بہار ہو کہ خزاں کا زمانہ ہو

شباب آیا کسی کا کہ ایک فتنہ نے
نکالی راہ نئی سر اٹھا کے آنے کی

تمہارے وعدوں پہ جیتے رہیں گے ہم یوں ہی
اگر نہ آؤ گے تم موت بھی نہ آئے گی

بھلائے غم نے مرے دل پہ جا بجا پہرے
خوشی جو چوری چھپی آتی تھی نہ آئے گی

درختِ عشق کچھ ایسا درخت ہے جس کو
ہر اک زمین میں ممکن نہیں لگا دینا

عدو نہ سمجھیں کہ بیدلؔ ہے کوئی حرفِ غلط
مٹیں گے خود ہی جو چاہیں اسے مٹا دینا

سنا ہے ان کو نیند آتی ہے سن کر داستاں کوئی
مگر نیند آئے جس سے وہ ہماری داستاں کیوں ہو

# عبدالجلیل خنجر

پیدائش ۱۹۰۶ء

کہیں غیروں سے ٹکرائی ہے شاید
نظر سے کیوں نظر ملتی نہیں ہے

بلندی آسماں کی بڑھ گئی ہے
مری آہوں میں کچھ پستی نہیں ہے

دمِ آخر جو پیہم آ رہی ہے
کسی کی یاد ہے ہچکی نہیں ہے

خوشی کے دن تو اڑتے جا رہے تھے
مصیبت کی گھڑی کٹتی نہیں ہے

لہو آنکھوں میں آ کر جم گیا ہے
نظر اب دور تک جاتی نہیں ہے

جہاں چلنے پہ آ جاتا ہے خنجر
روانی اس کی پھر رکتی نہیں ہے

○

حسن کے تذکرے کے ساتھ کہیں
عشق کا تذکرہ نہ آ جائے

منہمک ہوں میں بت پرستی میں
دل میں یادِ خدا نہ آ جائے

کیا طوالت ہے اُن کی زلفوں کی
میرے سر پہ بلا نہ آ جائے

# سید منظر دسنوی

پیدائش ۱۹۱۴ء

بے کیف ہے حیاتِ خضر بھی ترے بغیر
باز آئے ایسی زندگیٔ جاوداں سے ہم

آئی ہے پھر بہار چمن میں خزاں کے بعد
ایسے میں تجھ کو ڈھونڈ کے لائیں کہاں سے ہم

ہو برا رشک کا دیکھا نہیں جاتا ہم سے
آپ کا سامنے سب کے گہر افشاں ہونا

چشمِ پر آب سے میرے جو یہ قطرہ ٹپکا
بڑھتے بڑھتے اسی قطرہ کو ہے طوفاں ہونا

ہاتھ میں آکے ترے گل ہوا ممنون ترا
چاہتا تھا یہ ذرا اور نمایاں ہونا

میں ہوں اور دل ہے مرا گوشۂ تنہائی ہے
آپ ہیں، غیر ہے اور انجمن آرائی ہے

پھر عجب شان سے اس بار بہار آئی ہے
پھر وہی میں ہوں، وہی بادیہ پیمائی ہے

زندگی کیف سے محروم رہی ہے اپنی
نہ خزاں آئی ہے اُس میں نہ بہار آئی ہے

دیکھا جو دلِ محزوں کو ہم نے ایک عجب ویرانہ تھا
اُجڑی ہوئی محفل تھی گویا، ٹوٹا ہوا پیمانہ تھا

کیا تجھ کو بتائیں اے ساقی کل بزم میں ہم پر کیا گذری
گردش میں ہماری قسمت تھی چکر میں ترا پیمانہ تھا

دیکھتا ہوں میں گریۂ شبنم — غنچہ و گل کے مسکرانے میں
در خورِ اعتنا نہیں نہ سہی — ذکر میرا ہے کیوں فسانے میں؟

وہی تنہائی کا عالم، وہی ہے یاد پھر اُن کی — وہی میں ہوں، وہی پھر سوزِ غم ہائے نہانی ہے
زمانہ لے رہا ہے امتحاں کیوں شوقؔ کا میرے — دلِ خستہ مرا اب عمرِ رفتہ کی نشانی ہے

## منفرد اشعار

ہم شہیدانِ محبت کا بھلا کیا غم ہے — خاک ہوں گے بھی تو خاکِ درِ جاناں ہوں گے

نہ جانے ان کی نظروں نے اشارہ کیا کیا دل کو — ہمارے دل کی حسرت اب سراپا دل نہ بن جائے

ابھی رہنے دے میرے سامنے مینا کو اے ساقی — نگہ میری نگاہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے

ہے یاد مجھے آنکھوں سے بادہ کا چھلکنا — وہ دیکھنا جھک کر تہ پیمانہ کسی کا

رسوائی عالم مجھے منظور ہے لیکن — ایسا نہ ہو گر جاؤں کہیں ان کی نظر سے

ان کی نظروں کا گلہ کیا شکوۂ اغیار کیوں؟ — خود ہمارا شوق نکلا فتنہ ساماں دیکھئے

غمِ زندگی کا یہی ماحصل ہے — رہے داغِ غم دل میں ناسور ہو کر

قفس ہے اور تصور ہے روئے جاناں کا — خزاں بھی اب کی برنگِ بہار گذری ہے

یہ کس منزل پہ اب وارفتگیٔ دل مجھے لائی — کلیجہ تھام لیتا ہوں جو آجاتا ہے نام اُن کا

غمِ حیات بتا دے مجھے کدھر جاؤں — ادھر ہے منزلِ جاناں اُدھر قضا میری

تلخیٔ دوراں ہے منظور اس قدر ہمت شکن
اب کہاں تک کیجئے زلفوں کے سلجھانے کی بات

# مظہر امام

پیدائش ۱۹۳۰ء

## بیوہ

چاند نکلا ہے آنسو بہاتا ہوا
اپنے سینے کے زخموں کو عریاں کئے
کاسۂ چشم میں کچھ سوالات ہیں
نور چھنتا ہے یا بہہ رہا ہے لہو؟
جھانک کر میرے دل میں تو دیکھے کوئی
مجھ کو تھوڑی تسلی تو دے دے کوئی

○

زندگی زندگی کا جنازہ لئے
کوچۂ آرزو میں بھٹکتی ہوئی
سنگِ ادبار پر سر پٹکتی ہوئی

ایک سنسان مرگھٹ کی جانب رواں
بے کفن لاش پر اپنی ماتم کناں!

○

جل بجھیں چشم و عارض کی شادابیاں
عشق اور عقل پر گردِ غم جم گئی،
منجمد ہو گئے رنگ و بو کے کنول،
میرے جذبات کی بیوگی دیکھ لو!
ہانپتی کانپتی عشاری دیکھ لو!

## آؤ

بے ادب ستاروں نے
نیند میں مخل ہو کر
تم سے کچھ کہا ہو گا
لیکن ان کی باتوں کا
تم یقین مت کرنا
آؤ، آ کے خود دیکھو
مضطرب کہاں ہیں ہم؟

# غزلیات

آپ ہی کے گیسوؤں کا سلسلہ سمجھا تھا میں
زندگی کو ایک زنجیرِ وفا سمجھا تھا میں

رہنماؤں نے اُسی پر منزلیں تعمیر کیں
جس کو اپنی گمرہی کا نقشِ پا سمجھا تھا میں

وہ بھی اخلاق و شرافت ہی کی نکلی ایک شکل
جس کو اپنی بدمذاقی سے بُرا سمجھا تھا میں

شیخ کی غیبت نہ کیجے حضرتِ مظہر امام!
نام سے تو آپ کو بھی پارسا سمجھا تھا میں

اے شبنمی دھندلکو! اس نور سے بچانا
برقِ سحر کی زد پر ہے دل کا آشیانہ

سائے میں زلفِ غم کے آرام کر رہا ہوں
تو کس کو ڈھونڈتی ہے اے گردشِ زمانہ؟

اب فکر ہے اگر تو ہے تیرے گلستاں کی
ورنہ جلا چکے ہیں ہم اپنا آشیانہ

جگمگاتے ہوئے خیالوں کی
اونگھتی تیرگی بھی دیکھی ہے

گفتگو کا سکوت دیکھا ہے
بولتی خامشی بھی دیکھی ہے

خواب زاروں کی شفق ہو جیسے
زیست پھولوں کا ورق ہو جیسے

بے سبب مجھ سے یہ خفگی، کیا خوب!
مجھ پہ کچھ آپ کا حق ہو جیسے

## منفرد اشعار

تم سے حسیں تر اور بھی ہوں گے
لیکن کوئی تم سا ہوگا؟

لوگو! میری آشفتہ سری پر نہ کرو طنز
الزام اُتارو کوئی اس زلف کے سر سے

چلو ہم بھی وفا سے باز آئے
محبت کوئی مجبوری نہیں ہے

# محب الرحمٰن کوثر

پیدائش ۱۹۳۶ء

## امید

کچھ مکانات ٹوٹے پھوٹے سے
خستہ دروازے منہدم دیوار
کچھ دھنسی، کچھ مٹی مٹی قبریں
جا بجا ان میں چند تازہ مزار

قبریں؟ مرحوم آرزوؤں کی
دل، کہ ویران اجاڑ بستی ہے
ہو کا عالم ہے اور سناٹا
ہر طرف تیرگی سی چھائی ہے

پاؤں اپنا دبائے آتی ہے
خوف سے کانپتی لرزتی ہوئی
ایک ننھی کرن اجالے کی
کچھ لجاتی ہوئی جھجکتی ہوئی

آؤ! "خوش آمدید" اُس کو کہیں
ورنہ وہ ہم سے روٹھ جائے گی

# غزلیات

جنوں نواز ہوا ہے ہر ایک فرزانہ
خرد سے کام لئے جارہا ہے دیوانہ

یہ امتیازِ بہار و خزاں ہے لاحاصل
پسِ چمن کبھی دیکھا بھی تو نے ویرانہ؟

ہوئی سحر تو بجز خاک کوئی شے نہ ملی
نشانِ شمع رہا اور نہ نامِ پروانہ

فنا کے بعد بھی جاری ہے مے کشی کوثر
ریاضِ خلد میں بھی ہے بہارِ میخانہ

خود اپنے آپ پر شک ہو رہا ہے
مری جانب سے تو جو بدگماں ہے

حقیقت سے نہیں کوئی تعلق
زباں اُن کی ہے میری داستاں ہے

جہانِ حسن ہے محدود کوثر
جہانِ عشق لیکن لامکاں ہے

زندگی سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں؟

موت ہستی ہی کی اک شکلِ دگر ہے کہ نہیں؟

کھل گیا آج تری طرزِ تغافل کا بھرم

میری جانب تری دزدیدہ نظر ہے کہ نہیں؟

گو تیرہ شبی بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن

لَو اب بھی لگائے ہوئے بیٹھا ہوں سحر سے

میں تجھ کو بھلا دوں مگر اس بات کا ڈر ہے

خود آپ نہ گر جاؤں کہیں اپنی نظر سے

## منفرد اشعار

فطرت ہر ایک شئے کی تغیر پذیر ہے

یہ موت کیا حیات کی شکلِ دگر نہیں؟

خودی اپنی مٹا دے بندگی میں

یہ پتلا خاک کا نوری نہیں ہے

رکو تو روک دو حالات کے قدم کوثرؔ

چلو تو وقت کی رفتار بھی بڑھا کے چلو

# سید شکیل دسنوی

پیدائش ۱۹۳۹ء

## اجنبی راہیں

اک خلا یاد کا پھیلا ہوا تا حد خیال
سامنے زیست کی اک راہ چلی جاتی ہے
گامزن جس پہ ہوں کب سے مجھے معلوم نہیں
کوئی شے بھی نہیں، احساس ہو جس سے مانوس

اجنبی سی مجھے ہر چیز نظر آتی ہے
دیکھتا ہوں انھیں انجان خلش دل میں لئے
سوچتا ہوں انھیں پہچان لوں شاید میں کبھی
سعیٔ ناکام سہی پھر بھی کئے جاتا ہوں

ایک مبہم سی، اک انجان سی منزل کی طرف

اجنبی سا لئے احساس بڑھا جاتا ہوں

## غزلیات

کہتے ہیں سحر آئی ہے مگر دل پھر بھی مرا مسرور نہیں

جس صبح کی راہیں دیکھی تھیں اُس صبح کا اس میں نور نہیں

اے گردشِ دوراں مجھ پہ نہ ہنس یوں تیرا بھرم کھل جائے گا

دل کھول کے خود پر ہنس نہ سکوں اتنا تو ابھی مجبور نہیں

کہنے کو منایا ہے ہم نے پھر جشنِ بہاراں اب کی مگر

کیا بات ہے کیوں وہ حسن نہیں وہ رنگ نہیں وہ نور نہیں

کیا کیا بتائیں اے غمِ دوراں بدل گئے　　تھے مرکزِ حیات جو ارماں بدل گئے

جو جانِ میکدہ ہیں وہی تشنہ کام ہیں　　دستور تیرے ساقیِ دوراں بدل گئے؟

پہلے جفا تھی اب ہے کرم بات ہے وہی　　اتنا ہوا ضرور کہ عنواں بدل گئے

اب یاس و غم میں ڈھل گئی ہر ایک آرزو

رونق تھی دل میں جن سے وہ ساماں بدل گئے

غمِ زندگی تجھ کو زحمت تو ہوگی　　میں توبہ ذرا توڑنا چاہتا ہوں

تمنائے ترکِ محبت ہے دل میں　　مرا یہ جنوں دیکھ کیا چاہتا ہوں

اسے انتہائے جنوں ہی سمجھ لو کہ تم کو بھی اَب بھولنا چاہتا ہوں

سکوں ہو مبارک تمھیں اہلِ ساحل

میں طوفاں سے اب کھیلنا چاہتا ہوں

رخصت اے ہوش و خرد پھر کوئے یار آہی گیا اب جہاں رہبر جنوں ہو وہ دیار آہی گیا

حسن کی ہر اک ادا یوں بھی تو پیاری ہے شکیلؔ ہم کو لیکن سادگی پر ان کی پیار آہی گیا

نظروں کو اپنی کیوں وہ جھکا کر چلے گئے دیوانگی شوق بڑھا کر چلے گئے

یہ اُن کے التفات کا اعجاز ہے شکیلؔ ہر نقشِ غم کو دل سے مٹا کر چلے گئے

مرے ہمسفر ہو تم جب مجھے فکر کیا کسی کی مجھے غم نہیں جو آئے مرے سامنے زمانہ

وہیں خود بخود نہ جانے مری جھک گئی جبیں کیوں جہاں یاد آگیا ہے مجھے تیرا آستانہ

یادوں کی شمعیں دل میں فروزاں کئے ہوئے بیٹھے ہیں ہم تصورِ جاناں کئے ہوئے

آنکھوں میں اپنی مستیٔ صہبا لئے ہوئے آئے ہیں مے کشی کا وہ ساماں کئے ہوئے

## منفرد اشعار

خود بخود پھر ہاتھ جا پہنچا گریباں تک شکیلؔ

یاد آئی ہے مجھے جب بھی بیابانوں کی بات

چلا کرتی ہے جیسے راہ بھی اب ساتھ ہی میرے

جہاں پہلے تھی منزل اب وہیں معلوم ہوتی ہے

# تذکرۂ شعراء

## حصہ اول

**شیخ امین اللہ چرخی** (متوفی ۱۲۹۶ھ یا ۱۸۷۹ء) آپ تعلقہ کشنا نند پور پرگنہ بالوبیسی ضلع کٹک کے رئیس اور زمیندار تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ رسول بخش اور آپ کی والدہ کا نام نور النساء تھا۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد منشی عبد المجید اور منشی تصدق علی آپ کے جانشیں ٹھہرے۔ منشی عبد المجید کے فرزند مولوی عبد الرشید قاصر نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو پہلی بار "دیوان چرخی" شائع کیا۔ "دیوان چرخی" بڑے سائز کے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے کاتب ماہ لکھنوی تھے اور اس کتاب کی پانچ سو جلدیں رضوانی پریس کلکتہ سے شائع ہوئی تھیں۔

**ظہور الحق ظہوری** (متوفی ۷ دسمبر ۱۹۰۶ء) آپ کے خاندان کو اہمیت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے قصبۂ معصوم پور ضلع کٹک اڑیسہ میں اردو اور فارسی کلچر کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ آپ کے دادا مولوی محمد حسن (متوفی ۱۲۵۳ھ یا ۳۶-۱۸۳۵ء) کے مرشد حضرت نعیم اللہ بہرائچی تھے جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مشہور خلفاء میں سے تھے۔ ظہور الحق ظہوری مولوی عبد الاحد صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے گھر ہی میں اپنے والد سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی مذہبی نظمیں اڑیسہ کے گاؤں گاؤں میں مقبول ہیں۔ آپ کے بھائی شمس الحق شمس بھی اردو کے شاعر تھے۔

**معلم سمبل پوری** نام عبد العزیز تھا اور معلم تخلص کرتے تھے۔ آپ کو فن شاعری پر کافی عبور حاصل تھا۔ آپ کے والد ماجد مجرم سمبل پوری بھی اچھے شاعر تھے۔ اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ مجرم صاحب ویلور (مدراس) سے آکر سمبل پور میں بس گئے تھے۔ معلم صاحب کے شاگردوں کا وسیع حلقہ سمبل پور، بلاس پور، ویلور، کٹک وغیرہ میں موجود تھا۔ آپ کا مجموعۂ کلام "کاخِ سخن" ۱۳۳۱ھ (۱۴-۱۹۱۳ء) میں شائع ہوا تھا۔ "کاخِ سخن" کے آخر میں آپ کے بہت سے شاگردوں نے قطعات تاریخ لکھے ہیں جن سے "کاخِ سخن" کی طباعت کی تاریخ ۱۳۳۱ھ نکلتی ہے۔ "کاخِ سخن" کی صرف ایک کاپی اس وقت سمبل پور میں معلم صاحب کے ایک رشتہ دار کے پاس موجود ہے، جنہوں نے اُسے یادگار کے طور پر رکھ چھوڑا ہے۔

**محمد یوسف یوسف** (متوفی ۱۹۲۴ء) آپ ریاست پال لہڑا کے دیوان تھے۔ اپنے فرزند امجد نجمی کے نام آپ کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نانا اور دادا بھی شاعر تھے۔ امجد نجمی صاحب نے اپنے والد ماجد کے ادبی خطوط کو "نکہت باغِ یوسف" کے نام سے جمع کیا ہے۔ یوسف صاحب غالباً اڑیسہ کے سب سے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام شمالی ہند

کے اس وقت کے معیاری رسائل مثلاً "پیام یار" اور حضرت امیر مینائی کے "دامن گلچیں" وغیرہ میں شائع ہوا کرتا تھا۔ محمد یوسف یوسف نے "دولت مندبیوہ" کے علاوہ ایک دو اور ناول بھی لکھے تھے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا دیوان دس ہزار اشعار پر مشتمل تھا لیکن آخر عمر میں آپ فالج کا شکار ہو گئے جس کی وجہ سے اس دیوان کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ آپ کی آخری عمر کی شاعری سے بیچارگی اور قنوطیت ٹپکتی ہے۔ کٹک میں وفات پائی اور قدم رسول کٹک میں مدفون ہوئے۔

**عبدالرحیم احسن** (متوفی ۸ راکتوبر ۱۹۳۶ء) عرصۂ دراز سے سونگڑہ اڑیسہ میں اُردو فارسی کے کلچر کا مرکز رہا ہے۔ عبدالرحیم احسن اسی سونگڑے کی علمی فضا کی پیداوار ہیں۔ آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ کٹک اور سونگڑہ میں موجود ہے۔ آپ کا کلام مجھے مرحوم عرفان علی فدائی سونگڑوی کی بیاض سے ملا۔

**عبدالمجید بھویاں** آپ بالیسر کے مشہور بھویاں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کا ذکر ڈاکٹر ہرے کرشن مہتاب نے اپنی "تاریخ اڑیسہ" میں بھی کیا ہے۔ اسی خاندان کے پوٹیشور بھٹ نامی ایک شخص کو راجہ پرشوتم دیو نے ۷ راپریل ۱۴۸۳ء کو کافی جاگیر عطا کی تھی۔ اس خاندان نے اورنگ زیب کے دور حکومت میں اسلام قبول کرلیا۔ اور اڑیا کی بجائے اردو کو اپنا لیا۔ حتیٰ کہ اس نے عبدالمجید بھویاں جیسے اردو کے نعت گو شاعر کو جنم دیا۔ آپ اڑیا اور اُردو دونوں زبانوں میں ملی جلی شاعری بھی کرتے تھے۔ آپ کو ستار بجانے کا بہت شوق تھا۔ تخلص حیا کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ شائع ہو کر اڑیسہ کے عوام میں مقبول ہوا ہے۔

**سید عبدالستار عبد** (متوفی ۱۹۳۶ء) آپ کا وطن بالیسر تھا۔ آپ کا مختصر مجموعۂ کلام "نغمۂ ستار" یا "بہار عزیزی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے اردو اور فارسی میں ایم۔ اے کیا تھا۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔

**ملنشی جان محمد حازم** (متوفی ۱۹۴۱ء) آپ مولوی محمد حسن کے خلیفہ محمد سلطان صاحب راجی کے شاگرد تھے۔ "گلدستۂ گلزار" نامی ایک کتاب مطبوعہ ۱۳۸۰ھ یا ۱۹۲۱ء میں آپ کا کلام شائع ہو چکا ہے۔

**محمد محسن محسن** (متوفی ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء) آپ مولانا شمس الحق شمس معصوم پوری کے فرزند اور ظہور الحق ظہوری کے بھتیجے تھے۔ گھر ہی میں عربی فارسی اور اردو میں تحصیل علم کے بعد انگریزی کی طرف راغب ہوئے۔ آئی۔ اے کے بعد راونشا کالجیٹ میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اور پرائیویٹ طور پر بی۔ اے اور پھر ایم۔ اے کیا۔ راونشا کالج کٹک میں اردو اور فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپ ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی کے بھی اچھے شاعر تھے۔ الہ آباد آپ کی سسرال

تھی۔ جناب ضامن علی، پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کے یہاں مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے۔
۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء میں کٹک میں وفات پائی اور یہیں قدم رسول میں مدفون ہوئے۔

**نور علی انور** (متوفی ۱۹۵۰ء) آپ کے والد کا نام سید اسد علی تھا۔ آپ خود کو داغ کا شاگرد کہتے تھے۔ آپ عاشقانہ اور تصوفانہ رنگ میں غزلیں اور قصیدے کہتے تھے۔ نور علی انور عبدالعزیز عاشق اور رفیع الدین خاں رفیع کا ایک مختصر مشترکہ مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں تقریباً نوے سال کی عمر میں بمقام کٹک وفات پائی۔

**شیخ عبدالعزیز عاشق** (متوفی ۱۹۵۵ء) آپ کو غزل، نعت اور قصیدہ پر کافی عبور حاصل تھا۔ آپ نے تقریباً اسّی سال کی عمر میں کٹک میں وفات پائی۔

**رفیع الدین خاں رفیع** (متوفی ۱۹۵۸ء) آپ کا وطن قصبہ مانکا گوڑا، ضلع پوری تھا۔ آپ نور علی انور کے شاگرد تھے۔

**مولا بخش شاہ مولا** (متوفی ۱۹۵۸ء) آپ کا وطن شنکرپور ضلع بالیسر تھا۔ آپ کی غزلیات "کلیات مولا" "مولیٰ نامہ" "اڑیسہ کی دولت" "خدا کی عنایت" کے نام سے مختلف کتابچوں کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ بڑے دل صفت صوفی شاعر تھے۔

**رحمت علی رحمت** (پیدائش ۱۸۹۱ء وفات ۷ اپریل ۱۹۶۳ء) آپ بمقام سونگڑہ ضلع کٹک پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی عرفان علی فدائی اردو فارسی کے جید عالم تھے۔ ابتدائی عمر میں ان سے ہی آپ نے اردو فارسی اور ریاضی سیکھی۔ ۱۹۱۶ء میں بی اے اور پھر ایل ٹی کرنے کے بعد اڑیسہ کے مختلف سرکاری اسکولوں میں مدرس رہے۔ آپ نے پرائیویٹ طور پر اردو میں ایم۔ اے کی تیاری کی تھی۔ لیکن پٹنہ یونیورسٹی کا قانون بدل جانے کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ کے کئی غیر مطبوعہ نثر پارے جو مسودے کی شکل میں ضخیم کتابوں کی حیثیت رکھتے ہیں بلاشبہ بڑی اہم چیزیں ہیں۔ آپ کی اردو قواعد کی کتاب "جواہر القواعد" کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو اس وقت نایاب ہے۔ آپ خاص طور پر ڈپٹی نذیر احمد اور اکبر الٰہ آبادی کی زبان و بیان سے بے حد متاثر ہیں۔ آپ نے "توبۃ النصوح" کا اڑیا میں ترجمہ کیا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ آپ اڑیا اور انگریزی میں ریاضی کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ اڑیسہ سرکار کے ذریعہ بورڈ آف پرائمری ایجوکیشن، اڑیسہ کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ آخری عمر میں مفلوج ہو کر ۱۹۶۳ء میں وفات پائی۔ اور قدم رسول کٹک میں مدفون ہوئے۔

## حصۂ دوم

**امجد نجمی**۔ آپ کا نام نامی اردو دنیا کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ ۱۸۹۹ء میں بمقا

بخشی بازار کٹک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں اپنے والد ماجد محمد یوسف یوسف کی وقیع لائبریری سے استفادہ کیا۔ آپ کو ۱۹۱۶ء میں حبیب اللہ تسلیم جے پوری سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ آپ نے ۱۹۲۲ء میں بزم ادب کٹک کی بنا ڈالی۔ ۱۹۱۷ء میں آپ بمبئی پارسی تھیٹریکل کمپنی سے متاثر ہو کر خود بھی اداکاری اور ڈرامہ نویسی کی طرف مائل ہوئے اور آغا حشر کی طرز پر چار ڈرامے لکھے جو اڑیسہ اور آندھرا میں کئی بار اسٹیج ہو کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۴ء تک ریلوے میں ملازمت کے سلسلے میں آپ کا قیام وزیگاپٹم آندھرا میں رہا۔ وہاں بھی آپ ہی کی کوششوں سے ۱۹۴۰ء میں "آل آندھرا اردو مجلس" کی بنا پڑی۔ آپ کی شاعرانہ عظمت اور ادبی خدمات کے پیش نظر آل آندھرا اردو مجلس کی سالانہ کانفرنس، مسلی پٹم منعقدہ ۱۹۵۴ء میں آپ کو "نجم الشعراء" کے خطاب سے نوازا گیا۔

آپ فی الحال بزم سخن اڑیسہ کٹک کے صدر کی حیثیت سے ادبی خدمات انجام دے رہے رہیں۔ آپ کا پہلا مجموعۂ کلام "طلوعِ سحر" جنوری ۱۹۶۱ء میں شائع ہو کر ادبی حلقوں سے کافی خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ بقول حرمت الاکرام "یہ صحیفہ اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اس نے اڑیسہ کو ایک اردو علاقہ کی حیثیت سے پوری اردو دنیا کے ساتھ مربوط و منسلک کر دیا اور اپنے شعری و ادبی معیار سے اڑیسہ کو سربلند کیا۔"

بقول علامہ نیاز فتح پوری "امجد نجمی ہندوستان کے صف اول کے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔"

آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے آپ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔

پتہ :- پرنسپل سٹی کمرشیل کالج۔ بخشی بازار۔ کٹک ۱

**عبدالرشید نقاد** (پیدائش ۴ اپریل ۱۸۹۸ء) ابتدائے عمر سے آپ کی طبیعت عربی اور دینی علوم کی طرف مائل ہے۔ انگریزی تعلیم میں میٹرک تک کی استعداد رکھتے ہیں۔ علوم عربیہ کے شوق میں آپ نے سہارن پور کا سفر کیا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بھی ایک مدت تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بہار مدرسہ اگزامنیشن بورڈ سے فاضل کی ڈگری حاصل کی۔ فی الحال مدرسہ سلطانیہ کٹک میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ بزم سخن اڑیسہ کی ادبی سرگرمیوں میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ پتہ :- مدرسہ سلطانیہ بخشی بازار۔ کٹک ۱

**تمت النساء تمت** (پیدائش ۱۸۹۳ء) آپ کی تعلیم گھر ہی تک محدود ہے۔ اس لئے آپ نے گھریلو قسم کی کافی مؤثر نظمیں کہی ہیں۔ آپ اور عجیبہ خاتون عجیبؔ کے درمیان شعر میں خط و کتابت ہوتی ہے جو بڑی دلچسپ ہے۔ آپ نے اپنے شوہر کی رحلت پر کافی اچھی تاثراتی نظمیں کہی ہیں۔ آپ کے فرزند علی یوسف صاحب پاکستان ریلوے سروس میں اونچے عہدے پر مامور ہیں۔ آپ کے دوسرے فرزند علی یونس صاحب اڑیسہ اڈمنسٹریٹو سروس میں ہیں۔

پتہ :- عالم چند بازار، کٹک

**سید برکت اللہ برکت** (پیدائش ۱۹۰۵ء بمقام کٹک) گھر ہی پر آپ نے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ آپ فارسی و عربی کے عالم اور اردو کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ ایک مقرر کی حیثیت سے آپ کی شہرت اڑیسہ سے باہر بھی جا پہنچی ہے۔ شعر و شاعری کی دنیا میں آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ اڑیسہ میں موجود ہے۔ ایک عرصہ تک آپ بزم ادب کے صدر رہ چکے ہیں۔ پتہ :۔ اڑیا بازار۔ کٹک ۲

**عبدالحلیم حلیم** (پیدائش ۱۹۰۷ء) آپ شیخ امین اللہ چرخی کے جانشین منشی عبدالمجید کے پوتے ہیں۔ فی الحال سمبل پور ضلع اسکول میں اردو فارسی کے معلم ہیں۔ آپ کا مختصر مجموعۂ کلام "موجِ نسیم" زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ پتہ :۔ سمبل پور ضلع اسکول سمبلپور

**عجیبہ خاتون عجب** (پیدائش ۱۹۰۶ء) آپ نے گھر ہی میں تعلیم پائی۔ اگرچہ آپ کو کوئی ادبی ماحول نہیں ملا، پھر بھی وسعت مطالعہ اور فطری مناسبت کی وجہ سے آپ نے فن شاعری کو بہت کچھ نکھارا اور سنوارا ہے۔

پتہ :۔ گوہالی پور۔ پوسٹ آفس کودو (وایا سالیپور) ضلع کٹک

**حکیم عبدالرحیم راقم** (پیدائش ۱۹۱۲ء) آپ کو منشی جان محمد حازم سے تلمذ حاصل ہے۔ عرصے سے شعر کہہ رہے ہیں۔ زبان کی نزاکت کا بڑا احترام کرتے ہیں۔

پتہ :۔ بخشی بازار۔ کٹک ۲

**سید عبدالحلیم نقیب** (پیدائش ۱۹۱۳ء) آپ کا وطن مونگیر ہے۔ ایک عرصہ دراز تک بزمِ ادب کٹک کے سکریٹری کی حیثیت سے گراں قدر ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ فی الحال ملازمت کے سلسلے میں خوردہ روڈ میں رہتے ہیں۔

پتہ :۔ ڈسٹرکٹ کمرشیل سپرنٹنڈنٹ آفس۔ خوردہ روڈ۔ ضلع پوری۔

**عنایت اللہ جراز** آپ ۱۹۱۳ء میں بمقام سمبل پور پیدا ہوئے۔ لیکن کٹک کی ہی ادبی فضا میں آپ کی شاعری پروان چڑھی۔ آپ بزم ادب کٹک کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے ادبی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی جناب حبیب اللہ صاحب اڑیسہ کے ایک مشہور انشاء پرداز اور ناول نگار ہیں۔ پتہ :۔ بانس گلی۔ کٹک ۲

**عبداللطیف عارف** (پیدائش ۱۹۱۴ء) آپ نے ۱۹۴۲ء میں مدرسہ ایگزامینیشن بورڈ بہار سے فاضل پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء سے سعید سیمنری کٹک میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ نے جناب عبدالرشید نقاد سے مشورۂ سخن کیا ہے۔ آپ کی تیار کردہ فارسی قواعد کی چارٹ اڑیسہ کے اسکولوں اور کالجوں میں مقبول ہے۔ پتہ :۔ ہیڈ مولوی سعید سیمنری کٹک ۲

**حفظ الباری حافظ** (پیدائش ۱۹۱۵ء) آپ نے اپنے والد جناب کبیر الدین انشار سے شاعری کا ذوق ورثے میں پایا۔ اڑیسہ میں اردو اسٹیج کو مقبول بنانے میں آپ کا

بھی اہم حصہ ہے۔ خود بھی ایک اچھے اداکار ہیں اور بعض مکالموں اور ڈراموں کی ہدایت کاری بھی کی ہے۔ آپ افسانے بھی لکھتے ہیں۔ بزم ادب کٹک اور انجمن ترقی اردو ہند شاخ کٹک کے اہم رکن کی حیثیت سے آپ نے اردو کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ پتہ:۔ کھٹبن ساہی کٹک ۱

**سید نور الہدیٰ قائد** آپ ۲۸ فروری ۱۹۱۶ء کو محلہ دریا پور (سونگڑہ) ضلع کٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید محمد کاظم حافظ قرآن تھے۔ آپ کا خاندان سادات علمی اعتبار سے اڑیسہ میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس خاندان کے جد امجد سید ہاشم (متوفی ۵۰۱ھ) ہیں جو باہر سے تبلیغی سلسلے میں ہندوستان آئے تھے اور سونگڑے میں بس گئے۔ قائد صاحب نے مقامی علماء سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالم کی سند حاصل کی۔ کئی سرکاری اسکولوں میں معلم رہنے کے بعد نوکری سے دست بردار ہو کر مقامی مدرسہ عربیہ اسلامیہ سونگڑہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ شاعری کا ذوق ۱۹۴۰ء سے پیدا ہوا۔ راہِ سلوک میں آپ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہیں۔ آپ "ادارۂ گلشنِ ادب" کے بانی کہلا سکتے ہیں۔ پتہ:۔ رسول پور۔ پوسٹ آفس کود (وایا سالیپور) ضلع کٹک۔

**تلوک ناتھ انجم** (پیدائش ۱۷ جنوری ۱۹۱۶ء) آپ درپن کے راجاؤں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خاندان کشمیر سے آکر اڑیسہ میں بس گیا ہے۔ اس لئے انجم صاحب کی مادری زبان اردو ہے اور زمانہ قدیم سے آپ کے خاندان میں اردو اور فارسی کا چرچا کافی رہا ہے۔ آپ اڑیسہ کی ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پتہ:۔ یماندلی چوک کٹک ۳

**شمس الہدیٰ شمس** (پیدائش ۱۹۱۶ء) آپ کو حضرت نوح ناروی (مرحوم) سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ جناب عبدالرحیم احسن (مرحوم) اور جناب حسن بجنوری (مرحوم) کی رہنمائی نے آپ کے شعری ذوق کی صیقل میں اہم حصہ لیا۔ پہلے جاجپور ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے۔ فی الحال اکرام رسول ہائی اسکول سونگڑہ میں اسی عہدے پر مامور ہیں۔ پتہ:۔ اکرام رسول ہائی اسکول سونگڑہ، پوسٹ آفس کود (وایا سالیپور) ضلع کٹک

**سیدہ مصلحت ایزدی مصلحت** آپ ۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو قصبہ بالوبیسی میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی سسرال محی الدین پور (ضلع کٹک) میں ہے۔ آپ نے گھر ہی میں تعلیم حاصل کی۔ غزلوں کے علاوہ آپ نے متعدد کامیاب عملی نظمیں بھی کہی ہیں۔ قصبہ محی الدین پور میں تعلیم نسواں کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا تھا جس میں آپ صدر کی حیثیت سے منتخب ہوئی تھیں۔ آپ صرف شاعرہ ہی نہیں بلکہ قابل ذکر نثر نگار اور مقرر بھی ہیں۔

پتہ:۔ معرفت عبدالجبار صاحب۔ پوسٹ آفس محی الدین پور (وایا جگت سنگھ پور) ضلع کٹک

**ضمیر خاں ضمیر** (پیدائش ۱۹۲۲ء) آپ اڑیسہ کے مشہور و مقبول غزل گو شاعر ہیں۔ آپ کو حضرت امجد نجمیؔ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ بزمِ سخن اڑیسہ کی ادبی سرگرمیوں میں آپ عملی حصہ لیتے رہے ہیں۔ شعری لطافت کے ساتھ ساتھ اپنے ترنم کی دلکشی کی وجہ سے آپ مشاعروں کی محفلوں پر چھا جاتے ہیں۔ پتہ:۔ بانکا بازار۔ کٹک

**غلام رسول نسیم** (پیدائش ۱۹۲۳ء بمقام کٹک) آپ نہ صرف ایک اچھے شاعر بلکہ حافظِ قرآن اور خوش نویس کاتب بھی ہیں۔ آپ نے ۴۲ء میں دیوبند سے خوش نویسی سیکھی۔ اور ۶۰ء میں نسیمی پریس کٹک نامی اردو کا ایک پریس قائم کیا جو اڑیسہ کا واحد اردو لیتھو پریس ہے۔ آپ کو 'نسیمؔ' مولانا سید برکت اللہ صاحب برکتؔ نے بنایا۔ پتہ:۔ نسیمی پریس۔ بانس گلی۔ کٹک ۱

**سعید اختر** (پیدائش ۱۹۲۵ء) آپ اڑیسہ کے مشہور ترقی پسند شاعر ہیں۔ کلکتہ اور جمشید پور کی ادبی فضاؤں سے بھی آپ نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ آپ کو اپنے دوستوں میں جناب مقبول نقشؔ اور جناب کیفؔ پرتاب گڈھی سے خاص طور پر فیض یاب ہونے کا موقع ملا ہے۔ آپ غالبؔ، اقبالؔ اور جوشؔ سے متاثر ہیں۔ پتہ:۔ ۸ اے، ٹیلکو، جمشید پور ۴

**محمد اسمٰعیل شمسی** (پیدائش ۱۹۲۵ء) اپنے سنجیدہ کلام میں شمسیؔ اور مزاحیہ کلام میں بجلیؔ تخلص کرتے ہیں۔ آپ کو جناب سید برکت اللہ برکتؔ سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ سید منظر دسنوی سے بھی مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے بزمِ ادب کٹک کے ساتھ منسلک ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۲ء میں ایک نائٹ اسکول قائم کیا۔ آپ انجمن ترقی اردو ہند شاخ کٹک کے بھی کارکن ہیں۔ پتہ:۔ بانس گلی کٹک ۱

**محمد خلیل تاباں** (پیدائش ۱۹۲۷ء) آپ اڑیسہ کے ترقی پسند غزل گو شاعر ہیں۔ آپ حضرت امجد نجمیؔ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ بزمِ سخن اڑیسہ کی سرگرمیوں میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ پتہ:۔ معرفت سلیم خاں ٹیلرنگ شوپ بخشی بازار کٹک ۱

**ظہیر اللہ نور** (پیدائش ۱۹۲۸ء بمقام کٹک) آپ مولانا برکت اللہ برکتؔ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کی شاعری میں ذاتی تاثرات کی بہت ہی خوبصورت ترجمانی ہوتی ہے۔ اپنے والد کے علاوہ امجد نجمیؔ اور مظہر امام صاحبان کے قرب سے آپ فیض یاب ہوئے ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں بزمِ سخن اڑیسہ کی بنا ڈالی تھی جو تادمِ تحریر قائم ہے۔ بزمِ سخن کے سکریٹری کی حیثیت سے آپ کی خدمات اہم ہیں۔ پتہ:۔ اڑیا بازار، کٹک ۱

**رحمٰن کریم شاکر** (پیدائش ۱۹۲۹ء) آپ حضرت امجد نجمیؔ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ آپ نے قوالی میں بھی اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ بچو قوال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بزمِ سخن کی ادبی سرگرمیوں میں اہم حصہ لیتے ہیں اور اپنے دلکش ترنم کی وجہ سے مشاعروں کی محفلوں پر چھا جاتے ہیں۔ پتہ:۔ اڑیا بازار (بانس گلی) کٹک ۱

**حیدر نایابؔ** (تاریخ پیدائش ۱۵؍جولائی ۱۹۳۰ء بمقام اچھا پور) آپ کا پورا نام ہے میر غلام حیدر۔ اور تخلص نایابؔ۔ آپ کے والد میر غلام حسین صاحب فارسی کے علاوہ علوم طب و نجوم کے بھی ماہر تھے۔ بچپن ہی سے نایابؔ صاحب کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اپنے اقربا میں سے خاص طور پر میر واعظ حسین مرادؔ اور میر حمزہ علی صاحبان کی ہمت افزائی کی وجہ سے آپ نے ۱۹۵۳ء میں انجینیرنگ کی ڈگری درجۂ اول میں حاصل کی اور فی الحال اڑیسہ میں ایگزیکیوٹیو انجینیر کے عہدے پر فائز ہیں۔ یوں تو آئی۔ ایس۔ سی۔ کی تعلیم کے دوران ہی آپ نے شعر کہنا شروع کیا تھا لیکن انجینیرنگ کے دوران تعلیم میں آپ کے ذوق شعری کو نکھرنے اور سنورنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوران ملازمت برہم پور کے ماحول ساز گار سے ہوا پاکر آپ کے سینے کی دبی ہوئی یہ چنگاری سلگ اٹھی جو اب شعلہ بنتی جارہی ہے۔

پتہ:۔ ایگزیکیوٹیو انجینیر، مدرل سینٹری ڈیویژن، بھوبنیشور ۲۔ اڑیسہ۔

**حافظ رفیق دردؔ** (پیدائش ۱۹۳۲ء) حافظ قرآن ہیں۔ شعر گوئی میں حضرت امجد نجمیؔ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ اڑیسہ کے غزل گو شعراء میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے ترنم میں اس قدر دلکشی ہے کہ محفل مشاعرہ کو لوٹ لیتے ہیں۔

پتہ:۔ معرفت سٹی کمرشیل کالج۔ بخشی بازار کٹک ۱؍

**عبد الصمد واصفؔ** (پیدائش ۱۹۳۲ء) آپ خوش مذاق غزل گو شاعر ہیں۔ آپ کو حضرت امجد نجمیؔ سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ بہت پرگو شاعر ہیں۔ اور اڑیسہ کی ادبی سرگرمیوں میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ پتہ:۔ کیسر پور کٹک ۱؍

**مسیح اللہ مسیحؔ** (پیدائش ۱۹۳۲ء بمقام کٹک) آپ مولانا برکت اللہ برکتؔ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں راونشا کالج کٹک سے درجۂ اول میں فارسی میں آنرز کیا۔ اور ۵۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے ایم۔ اے (فارسی) کے امتحان میں درجۂ اول میں دوم آنے کی وجہ سے نقرئی تمغہ حاصل کیا۔ ۱۹۶۰ء سے راونشا کالج کٹک میں شعبۂ فارسی کے پروفیسر ہیں۔ آپ کے ادبی مضامین اردو کے ممتاز رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پتہ:۔ شعبۂ اردو و فارسی۔ راونشا کالج کٹک ۳

**غالب فہمیؔ** (پیدائش ۱۹۳۳ء بمقام کٹک) آپ کے دادا عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ اس لئے آپ نے گھر کی علمی و ادبی فضا میں ہی آنکھیں کھولیں۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں راونشا کالج کٹک سے درجۂ اول میں فارسی میں آنرز کیا۔ آپ شعبۂ "تاریخ" میں ایم۔ اے کا کورس مکمل کر چکے ہیں۔ کچھ دنوں تک ہائی کورٹ کے قدیم فارسی نسخوں کے مطالعے کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی۔ ۱۹۶۲ء میں اڑیسہ اڈمنسٹریٹیو سروس کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ آپ کی شاعری میں بڑے خوبصورت انداز میں ذاتی تجربات کی عکاسی

ہوئی ہے۔ پتہ :- ڈپٹی کلکٹر برہم پور، ضلع گنجام۔

**بہارالدین ریاضؔ** (پیدائش ۱۹۳۵ء) آپ اڑیسہ کے ایک ترقی پسند شاعر ہیں۔ آپ مظہر امام صاحب سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ اور جدید شعراء میں موصوف کی شاعری سے بطورِ خاص متاثر ہیں۔ پتہ :- سوتاہاٹ کٹک ۱۲

**کرامت علی کرامتؔ** (پیدائش ستمبر ۱۹۳۶ء بمقام اڑیا بازار کٹک) آپ مرحوم رحمت علی رحمتؔ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۵ء میں راونشا کالج کٹک سے ریاضیات میں درجۂ اول میں ایم۔ ایس۔ سی کیا۔ اور اتکل یونیورسٹی سے طلائی تمغہ حاصل کیا۔ ۱۹۵۶ء سے آپ اڑیسہ ایڈیشنل سروس میں ملازمت کر رہے ہیں۔ آپ حضرت امجد نجمیؔ کی رہنمائی میں ادبی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ آپ کو مظہر امام صاحب سے بھی ذاتی طور پر فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ منظومات کے علاوہ آپ کے ادبی، تنقیدی، معلوماتی مضامین شاعر، نیا دور، نگار جیسے مقتدر رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ بزم سخن اڑیسہ کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ حضرت امجد نجمیؔ کا مجموعۂ کلام "طلوع سحر" آپ ہی نے مرتب کیا۔ آپ اڑیسہ میں اردو و فارسی پر ایک تحقیقی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اڑیسہ کے قصبات سے آپ بہت سے اُردو و فارسی کے قلمی نسخے اور دستاویزات فراہم کر چکے ہیں۔ اڑیا زبان میں آپ کی تصنیف کردہ دو کتابیں الجبرا اور ارتھمیٹک اڑیسہ کے سکنڈری اور ہائیر سکنڈری اسکولوں میں بہت ہی مقبول ہیں۔ پتہ :- سائنس کالج۔ انگول۔ ضلع ڈھینکانال (اڑیسہ)

**جبار جلیلؔ** پیدائش ۱۹۳۶ء آپ کا وطن قصبہ بہراج پور، ضلع کٹک ہے۔ آپ بزم سخن اڑیسہ کٹک کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ جمشید پور کے ادبی ماحول سے آپ نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ پتہ :- بہراج پور ضلع کٹک۔

**عبدالمجید فیضیؔ** پیدائش ۱۹۳۶ء سمبل پور کے ہونہار نوجوان شاعر ہیں۔ مولوی عبدالحلیم حلیمؔ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ سمبل پور کی ادبی سرگرمیوں میں آپ اور آپ کے احباب کا اہم حصہ ہے۔ پتہ :- معرفت عبدالحلیم حلیم ہیڈ مولوی سمبل پور ضلع اسکول

**عبدالصمد پریمیؔ** (پیدائش ۱۹۳۶ء وطن قصبۂ احمد پور، ضلع پوری) آپ نے ہندی میں رتن پاس کیا۔ اور ہندی میں شاعری شروع کی۔ جناب امجد نجمیؔ صاحب کی ترغیب پر اردو میں مزاحیہ شاعری شروع کی۔ تخلص "پریمیؔ" نجمیؔ صاحب کا عطا کردہ ہے۔ اڑیسہ میں طنز و مزاح میں آپ کو جتنی مقبولیت حاصل ہوئی شاید کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ فی الحال بزم سخن اڑیسہ کے سکریٹری ہیں۔ آپ اُڑیا میں بھی شعر کہتے ہیں۔
پتہ :- ہندی ٹیچر، سعید سیمنری۔ کٹک ۱۲

**جلال الدین بدر** (پیدائش ۱۹۳۷ء بمقام سونگڑہ) آپ کے دادا عرفان علی فدائی رحمت علی رحمت کے بڑے بھائی تھے۔ اور عربی و فارسی کے مستند عالم تھے۔ جلال الدین بدر طالب علمی کے دور میں ہی شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ آپ سونگڑہ کے ہونہار شاعروں میں سے ہیں۔ پتہ:۔ رسول پور۔ پوسٹ آفس کود، دایا سالیپور، ضلع کٹک

**محمد سعید سعید** (پیدائش ۱۹۳۶ء) آپ نے نظم و غزل دونوں اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ اتکل یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد فی الحال سعید سیمینری میں ملازمت کر رہے ہیں۔ پہلے بدر تخلص کرتے تھے اب "نام کا نام اور تخلص کا تخلص" کے قائل ہیں۔ آپ اقبال، جگر، حفیظ، احسان دانش وغیرہ سے اور مقامی شعراء میں امجد نجمی سے متاثر ہیں۔ پتہ:۔ سعید سیمینری، کٹک

**معزہ خاتون موزوں** (پیدائش ۱۶ر جولائی ۱۹۳۹ء بمقام محی الدین پور، ضلع کٹک) آپ سیدہ مصلحت ایزدی مصلحت صاحبہ اور سید عبدالجبار صاحب کی دختر نیک اختر ہیں۔ آپ نے اردو کی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی اور شعری ذوق اپنی والدہ سے پایا آپ کی وہیں محی الدین پور میں سید فیاض الدین احمد صاحب سے شادی ہوئی۔
پتہ:۔ محی الدین پور، دایا جگت سنگھ پور، ضلع کٹک۔

**خالد رحیم** (پیدائش ۱۹۴۱ء) آپ کی طبیعت غزلوں سے زیادہ مختصر نظموں کی طرف مائل ہے۔ آپ مظہر امام سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ آپ بزم سخن اڑیسہ کٹک کی ادبی سرگرمیوں میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ پتہ:۔ بخشی بازار کٹک ۱

## حصہ سوم

**شمس منیری** (پیدائش ۱۸۹۶ء) وطن منیر شریف ضلع پٹنہ۔ ابتدائی تعلیم آپ کے والد مرحوم جناب مولوی ضمیر الدین صاحب کے زیر نگرانی گوالیار میں ہوئی۔ شمس صاحب کو شعری ذوق اپنے والد صاحب سے گویا ورثے میں ملا۔ آپ نے وکٹوریہ کالج گوالیار سے بی۔ اے کیا اور جامعہ پٹنہ سے بی۔ ایل کی ڈگری حاصل کی۔ پھر پٹنہ یونیورسٹی میں ایم۔ اے (فارسی) کے امتحان میں درجۂ اول میں اول مقام حاصل کیا۔ آپ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک راونشا کالج کٹک میں قانون کے لکچرار رہے۔ کٹک میں اردو ڈرامائک ایسوسیشن کے صدر کی حیثیت سے گراں قدر ادبی خدمات انجام دیں ۱۹۲۷ء سے پٹنہ کالج میں اردو و فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۲ء میں اس ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔

پتہ:۔ فارسی و عربی ریسرچ انسٹیٹیوٹ۔ پٹنہ ۶

**اصغر علی بیدل** (پیدائش اگست ۱۹۰۴ء) آپ کا وطن مظفر پور (بہار) ہے۔ پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرنے کے بعد فارسی میں آپ راونشا کالج کٹک میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۹ء تک شعبۂ اردو و فارسی کے صدر رہے۔ آپ کی ادبی زندگی کا بیشتر حصہ کٹک ہی میں صرف ہوا۔ آپ کو حافظ شمس الدین منیری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے اڑیسہ کے بہت سے فارسی کتبوں کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ نے ثابت کیا ہے کہ پہلی مغلیہ دورِ حکومت میں اڑیسہ کا سب سے پہلا دارالحکومت تھا۔ آپ ۱۹۵۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

پتہ:۔ چولیا گنج۔ کٹک ۲

**عبدالجلیل خنجر** (پیدائش ۱۹۰۶ء) آپ کا وطن حیدرآباد دکن ہے۔ آپ ۱۹۳۰ء میں سررشتہ ڈاک نظام ریاست حیدرآباد میں انسپکٹر ہوئے۔ آپ کٹک جی پی او میں گیزیٹڈ پوسٹ ماسٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۹۶۱ء میں ریٹائرڈ ہو کر حیدرآباد واپس چلے گئے۔ آپ نے تقریباً سارے ہندوستان کی سیر کی ہے۔ میر کے بڑے شیدا ہیں۔ آپ کو فن مصوری سے بھی کافی دلچسپی ہے۔ کٹک میں 'یوم جگر' منائے جانے کے موقع پر آپ نے جگر (مرحوم) کا ایک نہایت عمدہ پنسل اسکیچ بنایا تھا جسے ارباب نظر نے بہت پسند کیا۔ آپ نے کارڈ بورڈ سے کٹک جی پی او کا ایک ماڈل بنایا ہے جو اپنا جواب آپ ہے۔ پتہ:۔ مرلی دھر باغ، حیدرآباد (دکن) ۱ (آندھرا پردیش)

**سید منظر دسنوی** (پیدائش ۱۹۱۴ء بمقام دسنہ) ابتدائی تعلیم دسنہ میں ہی حاصل کی اور پھر اپنے والد ماجد جناب آل حسن صاحب مرحوم کے ساتھ رانچی چلے گئے۔ آپ نے رام موہن رائے سیمینری، پٹنہ سے ۱۹۲۹ء میں میٹرک اور پٹنہ کالج سے ۱۹۳۳ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ پھر پٹنہ ٹریننگ کالج سے۔ ایم۔ ای۔ ڈی کی سند حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) میں فرسٹ کلاس فرسٹ آئے۔ جولائی ۱۹۴۷ء سے راونشا کالج کٹک میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ کے افسانے "فطرت" راجگیر "ندیم" گیا اور "ساقی" دہلی جیسے اردو کے مقتدر رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے ادبی اور تحقیقی مضامین "آجکل" دہلی، "شاعر" بمبئی اور "فروغ اردو" لکھنو جیسے ادبی رسالوں میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ آپ کو شعر و شاعری کا ذوق و شوق کٹک کی ادبی سرگرمیوں سے ہی پیدا ہوا۔ آپ کی ہمت افزائیوں سے بزم ادب کٹک کے بہت سے شاندار مشاعرے ہوئے جن میں اڑیسہ کے سابق گورنر سید فضل علی (مرحوم) اور بھیم سین سچر صاحبان اور اُس وقت کے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے چیئرمین شانتی سروپ بھٹنگر (آنجہانی) جیسی شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔ آپ ایک اچھے اسپورٹسمین بھی ہیں۔ پتہ:۔ صدر شعبۂ اردو و فارسی، راونشا کالج، کٹک ۱

**مظہر امام** پیدائش مارچ ۱۹۳۰ء وطن دربھنگہ۔ تعلیم بی۔ اے۔ آپ اردو کے خوش مذاق نوجوان شاعر ہیں۔ اس کم عمری میں ہی آپ کو ہندوستان گیر شہرت حاصل ہو چکی ہے۔

روزنامہ "کارواں" کلکتہ کے علاوہ "نئی کرن" دربھنگہ "معاون" کلکتہ "سہیل" گیا "کہانی" کلکتہ وغیرہ رسائل کی ادارت کر چکے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ کا قیام کٹک میں رہا۔ لیکن اس مختصر مدتِ قیام میں، آپ نے اڑیسہ میں جتنی پرخلوص ادبی خدمات دی ہیں، شاید کسی اور کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی تائید بر وقت سے کٹک میں "یومِ جگر" بہت اعلیٰ پیمانہ پر منایا گیا۔ جو یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اڑیسہ کے بہت سے نوجوان شعراء آپ کی طرزِ شاعری اور اندازِ بیان سے متاثر ہیں اور یہ بھی آپ کی شاعرانہ عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "زخمِ تمنا" جسے اُڑیسہ اردو پبلشرز نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا اردو شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ جنوری ۱۹۶۳ء سے آپ کا تبادلہ گوہاٹی ہوگیا۔

پتہ:- آل انڈیا ریڈیو گوہاٹی۔ آسام

**محب الرحمٰن کوثر**

آپ ۱۹۳۶ء میں بمقام شاہ میاں روہوا (شہید آباد) ضلع مظفرپور پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب الرحمٰن (مرحوم) ہے۔ آپ کو کچھ دن تک گیا اور کلکتہ میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی پہلی غزل آفاق کلکتہ میں ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ ریلوے میں ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء تک کٹک میں آپ کا قیام رہا۔ یوں تو طالبعلمی کے زمانے سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق تھا، لیکن کٹک کی ادبی فضائے ہی آپ کے ذہن و شعور کو صحیح شعری مذاق سے آشنا کرایا۔ خاص کر مظہر امام صاحب کی صالح رہنمائی اور امجد نجمی صاحب کے قرب نے آپ کے ادبی ذوق کی مشاطگی کی۔ آپ بزمِ سخن، کٹک کی ادبی سرگرمیوں با قاعدہ حصہ لیتے رہے ہیں۔ آپ کی نظمیں اور غزلیں ملک کے متعدد رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ فی الحال بہ سلسلۂ ملازمت آسنسول میں ہیں۔

پتہ:- ڈی۔ ای۔ ای۔ (ٹی۔ آر۔ ڈی) آفس۔ ایسٹرن ریلوے۔ آسنسول۔ ضلع بردوان۔ مغربی بنگال۔

**سید شکیل دسنوی**

سن پیدائش ۱۹۳۹ء۔ آپ پروفیسر سید منظر دسنوی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حیدر نایاب کی طرح انجینیرنگ کے طالب علم ہونے کے باوجود شعر و شاعری سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں۔ آپ جگر اور فراق سے خاص طور پر متاثر ہیں۔ اپنے والد سے ہی مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں بی۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد آپ فی الحال انجینیرنگ کی تعلیم پا رہے ہیں۔ آپ بزمِ ادب کٹک کی ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔

پتہ:- برلا کالج آف انجینیرنگ۔ برلا۔ ضلع سمبل پور (اڑیسہ)